مطبوعات بیت الحکمت۔ دہلی (ہند) (۳)

پیمان انقلاب

پس منظر اسلام اور ترتیب نزول قرآن کی روشنی میں سورۃ الحمد کا انقلابی مفہوم

محمد اجمل خاں

هٰذَا بَصَائِرُ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ○
یہ تعلیم انسانوں کے دلوں کو عقل سے معمور کرتی ہے اور یقین کرنے والوں کے لئے رہنما و رحمت ہے۔
هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ○

پیمانِ انقلاب

یعنی

پس منظر اسلام اور نظم و ترتیب قرآن کی روشنی میں

سورۃ الحمد

کا

قرآنی مفہوم

از

محمد اجمل خاں

سول ایجنٹ در ہند
سنگم کتاب گھر اردو بازار، دہلی

فہرست مضامین پیمانِ انقلاب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

اَللّٰہُ جَمِیْلٌ وَّیُحِبُّ الْجَمَال

سننے والے کانوں اور سمجھنے والے دلوں کے لئے قرآن میں کتاب و حکمت (قانونِ حیات و فلسفۂ زندگی) کی حسین و جمیل تعلیم اپنی بے پایاں عالمگیریت کے ساتھ موجود ہے۔ اس کے وحی ہونے سے مشرکوں کو بھی انکار نہ تھا۔ اس کی اثر آفرینی اتنی زبردست تھی کہ سمجھنے والے مشرکین کہ اسے سننا نہیں چاہتے تھے بلکہ انکار کرنا اور شور مچانا اپنا شعار بنا لیا تھا۔ وہ بار بار کہتے تھے کہ یہ وحی ہے مگر شیطان کی طرف سے۔ یہ یقیناً جنوں کے ذریعہ نازل ہوئی ہے۔ ہمارے شاعر و ساحر، کاہن و عراف تک اس کو سن کر حیران ہیں! اس میں ایسا سحر بھرا ہوا ہے کہ ہر سننے والے پر اثر کرتا ہے۔ شاید مرزا مرحوم نے اسی لئے دعا مانگی تھی کہ خانۂ کعبہ پھر بتخانہ بن جاتا تو کم از کم بت پرستانِ قریش کی مانند قرآن کی بلاغت و فصاحت پھر لوگوں کے دلوں کو گرما سکتی اور صنم خانۂ کعبہ کا سچا پس منظر، حرم کی حقیقت کو پھر نمایاں کر سکتا۔

آوارۂ غربت نتوانی دید صنم را — خواہم کہ دگر بتکدہ سازند حرم را

صورت و معنی یا ظاہر و باطن

حسن و جمال کا ہر شاہکار ظہور و بطون رکھتا ہے اور ہر ناظر کی نظر میں مختلف کیفیتیں

پہلا اردو ایڈیشن ۱۹۵۲ء ۱۳۷۲ھ

مطبوعہ یونین پرنٹنگ پریس، اردو بازار جامع مسجد، دہلی

بیت الحکمت دہلی (ہند) کی طرف سے سیف الاسلام خاں جامعی
نے شائع کی

سول ایجنسی در ہند۔ سنگم کتاب گھر، اردو بازار، دہلی
" " در پاکستان۔ مکتبہ بیت الحکمت اردو بازار لاہور (پاکستان)

قیمت مجلد (عہ) قیمت بلا جلد (عہ سر)

غالب نے فرمایا ہے۔

لطافت بے کثافت جلوہ پیدا کر نہیں سکتی
چمن زنگار ہے آئینۂ بادِ بہاری کا

اس سلسلے میں دو باتیں سمجھ لینا چاہیئے :۔

(۱) اسلام کوئی نیا مذہب نہیں ہے ابتدائے تمدن سے ہر ملک و قوم میں ایسے مصلح پیدا ہوتے رہے ہیں جو کہتے رہے کہ اللہُ ربّی وَ ربُّکُم فاعبُدُوہُ ھٰذا صِراطٌ مُستقیم۔ خدا کو آقا ماننا۔ اسی کی بندگی کرنا ہی دینِ فطرت ہے کسی دیوتا، انسان یا درخت کے آگے جھکنا شرف و علوّ انسانیت کو غارت کرنا ہے۔ غرضکہ اسلام یعنی طاعت الہی کے مقابلہ میں اہل کفر و شرک و الحاد ہمیشہ اطاعتِ شیطان کی تعلیم دیتے رہے اور عقل انسانی کو اندھیرے (کفر؛ انگریزی کفر۔ جرمن کفر یعنی ڈھکنا) اور ظلمت میں رکھ کر جاہل انسانوں کو لوٹتے رہے اسی لئے اسلام کی تعلیم تھی لیخرجھم من الظلماتِ الی النور یعنی رحمان و شیطان کی کشمکش کی پوری تاریخ اسلام کے پس منظر میں پہلی جگہ کی مستحق ہے۔

(۲) ادیان عالم و ادیانِ جاہلیہ کو جاننے کے بعد خود اہل عرب کی سوشل حالت کو اُن کی مادی و ذہنی تاریخ کو بھی پس منظر اسلام کا ایک جز سمجھنا ضروری ہے۔ پھر یہ بھی جاننا ضروری ہے کہ اہل کتاب کی کیا حالت تھی اور ان کی وہ حالت کیوں تھی

مخاطب کا ماحول اور سمجھ

مختصر یہ ہے کہ ہمیں قرآن کا مفہوم اسی طرح سمجھنا ہے جس طرح قرآن کے مخاطب اپنے ذہنی و مادی ماحول میں اسے سمجھتے تھے۔ یہ بات صحیح پس منظر پیدا کرنے سے ہی ہو سکتی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ جن لوگوں سے تخاطب ہے ان کی عقول و افکار کی نوعیت جاننا بھی ضروری ہے۔

پیدا کرتا ہے ۔ جو لوگ صورت و معنی دونوں پر دسترس رکھتے ہیں وہ بقدر ظرف اس کی جمال آفرینی سے بہرہ اندوز ہوتے ہیں ورنہ مولانائے روم کی زبان سے کہنا پڑتا ہے کہ ؎

ہر کسے از ظن خود شد یار من — وز درونِ من نجست اسرار من
سرِ من از نالہ من دور نیست — لیک کس را دید جان منظور نیست

تو کیا فہم قرآن کے لئے جو نہ صرف دنیا کی بہترین ترقی یافتہ زبان یعنی عربی میں ہے، بلکہ زبان وحی میں اللہ کی جانب سے نازل ہوا ہے ۔ یہ ضروری ہے کہ اسے سمجھنے کے لئے انسان عرب ہو اور وہ بھی ویسا عرب جو رسولِ عربی کے زمانے میں ہوا کرتا تھا ؟ علامہ سید رشید رضا مرحوم نے غالباً اسی لئے قرآن کو کسی دوسری زبان میں ترجمہ کرنے کی مخالفت کی تھی اور ایک شاعر نے تو یہ فیصلہ کر دیا تھا کہ قرآن سمجھنے کے لئے کافر ہونا ضروری ہے ؎

کافر نشدی لذتِ ایماں چہ شناسی

پس منظرِ اسلام و ترتیب نزولِ قرآن

قرآنی تعلیم کے ظاہر و باطن، صورت و معنی کو عام فہم زبان میں پس منظر اسلام اور ترتیب و نظم قرآن سے تعبیر کیا جا سکتا ہے ۔ اصلی نظم قرآن وہی ہے، جس طرح اور جس ترتیب سے وہ مختلف مکی اور مدنی ادوار میں خدا کی طرف سے قلب رسول پر نازل ہوا ہے، اور پھر انہوں نے اپنے الفاظ میں انسانوں کو سنایا ہے۔

پس منظرِ اسلام

کسی فنی شاہکار کو سمجھنے اور اس کے لطیف اثرات سے فیض حاصل کرنے کے لئے پس منظر کا ہونا ضروری ہے شعر ہو یا تصویر، نغمہ ہو یا تعمیر جب تک اس فنی تخلیق کے ساتھ ساتھ اس کا پس منظر بھی نہ ہو اس کی مادی صورت نظر کے لئے جنت نگاہ نہیں بن سکتی ۔ اسی لئے

کہ سیرتِ نبوی کو اور خود قرآن کو خدائی نظم و ترتیب یعنی ترتیبِ نزولِ قرآن کے مطابق سمجھیں۔ اس کے بعد رسولی نظم و ترتیب (جو یقیناً توقیفی تھی) سامنے لائیں۔ خدائی ترتیب سے وہ لوگ زیادہ فائدہ اٹھا سکتے ہیں جو سیرۃ نبوی اور اسلام کے پیغام کو تاریخی پس منظر میں دیکھنا اور سمجھنا چاہتے ہیں۔ اگر اسی طرح سیرتِ نبوی نا مسلمانوں کے سامنے لائی جائے تو ان میں سے اکثر بہت جلد اسلام کی حقانیت کے اعتراف پر تیار بلکہ مجبور ہو جائیں گے۔ رسولی ترتیب ان لوگوں کے لئے مفید ہے جو ایمان لا چکے ہیں۔ اور خدائی ترتیب و نظمِ قرآن کا جاننا ضروری سمجھتے ہیں۔ ورنہ وہ اسلام کی معنوی یعنی روحانی کیفیت سے پورے طور پر فیضیاب نہ ہو سکیں گے۔ ہمارے مفسرین و فقہا اسے پیشِ نظر رکھتے ہیں اور احکام کے بیان کرنے میں شانِ نزول اور ترتیبِ نزول سے مدد لیتے ہیں لیکن سیرۃ نگاروں نے اس کا اہتمام نہیں کیا؟ اسی لئے سیرت و تفسیر دو الگ الگ فن بن گئے ان کا امتزاج سیرتِ نبوی کے ذریعے سے بہت آسان ہے۔ اس سلسلے میں ہم ایک قرآنی سیرت لکھ چکے ہیں۔

ترتیبِ سورِ مصحفِ عثمانی

مندرجہ بالا بیان سے واضح ہوتا ہے کہ (۱) خدائی ترتیب وہ ترتیب ہے جس طرح مختلف اوقات میں قرآن کریم اللہ نے نجماً نازل کیا (۲) رسولی ترتیب وہ ترتیبِ آیات ہے جیسے رسول کریم نے خدا کے حکم سے مختلف سورتوں میں مرتب کیا اور بعض مکی سورتوں میں مدنی احکام جہاد و زکوٰۃ وغیرہ کو جگہ دی یہ ترتیبِ آیات فی السوران لوگوں کے لئے بہت مفید تھی جو مسلمان ہو چکے تھے یا صحابہ سے براہِ راست تاریخ قرآن و اسلام معلوم کر سکتے تھے (۳) موجودہ متداول ترتیبِ سور فی مصحف یعنی مصحف عثمانی ان کیلئے ہے

ترتیب نزول قران (۱) خدائی نظم قرآن وہ ترتیب ہے جس ترتیب سے قلب رسول پر پہلے مکہ میں اور پھر مدینہ میں قرآن نازل ہوا اور لوگوں کو سنایا گیا۔ یا اگر صرف آنحضرت کے لئے تھا تو اس کے مطابق آنحضرت نے عمل کیا (اس کو وحی غیر متلو بھی کہہ سکتے ہیں)

عام طور پر مسلمان اس مصحف کی ترتیل کرتے ہیں جو حضرت عثمان غنی نے ۳۰ھ میں مرتب کرایا تھا لیکن ۳۰ھ سے پہلے یعنی رسول اللہ کے زمانہ میں اور شیخین یعنی حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کے زمانہ میں حضرات صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے پاس جن میں خود حضرت عثمان غنیؓ بھی شامل تھے قران کریم مختلف ترتیبوں سے محفوظ تھا۔ حضرت عمر فاروقؓ نے مومنوں کے لئے چار سورتوں کا جاننا ضروری قرار دے دیا تھا اور خصوصیت کے ساتھ مومنات کے لئے حکم دیا تھا کہ وہ سورۂ نور ضرور سیکھیں۔

جو صحابی مثل حضرت عبداللہؓ بن مسعود یا حضرت علیؓ بن ابی طالب کے آنحضرت کے دامن سے وابستہ تھے۔ انھوں نے قرآن کو ترتیب نزول قران کے مطابق محفوظ کر رکھا تھا۔ غرضکہ قران کی حقیقی ترتیب وہ تھی جس ترتیب سے خدا نے اس کو نازل کیا تھا۔ اسے خدائی ترتیب کہتے ہیں۔

رسولی ترتیب اس کے بعد مختلف سورتوں میں رسول کریمؐ نے خدا کے حکم سے بعض آیات و الفاظ کا اضافہ کیا اور آیت بسم اللہ الرحمن الرحیم کو فصل کے لئے استعمال کیا۔ یہ رسولی ترتیب مضامین فی السورہ ہے

خدائی ترتیب اور رسولی ترتیب دونوں کے متعلق روایت و درایت (خصوصاً حدیث عائشہ) سے صاف معلوم ہوجاتا ہے کہ کون سا قرآن کس زمانے میں نازل ہوا اور اس کا مخاطب کون تھا۔ اہل علم کی ہمیشہ یہ کوشش رہی ہے

یعنی سہ۔ ہر چند ہے مشاہدۂ حق کی گفتگو   بنتی نہیں ہے ساغر و مینا کہے بغیر

حق و صداقت کی خوبی۔ خیر و سعادت کا حسن، اور خود حسن و جمال کی جمیل کیفیات، عالمگیر و بے پایاں صداقتوں، رعنائیوں اور دلربائیوں کا مخزن ہوتی ہیں اور بقدر ذوق ناظر اُسے اپنی الہامی کیفیات سے متاثر کرتی ہیں اسی لئے کسی فنی شاہکار کے سمجھنے اور اس سے لطف اندوز ہونے کے لئے آپ کو نہ صرف پس منظر سامنے لانا پڑتا ہے بلکہ فنکار کے دل و دماغ کے تاثرات و وجدانات کی گہرائیوں میں اس طرح داخل ہونا پڑتا ہے جس طرح اور جس نظم و ترتیب سے خالق شاہکار نے اپنی تخلیق کو آپ کے سامنے پیش کیا ہے۔ اسی لئے اگر آپ قرآن کی خدائی ترتیب کو پیش نظر نہ رکھیں، تو اس گلدستے کی حقیقی لطافت و جمال سے آپ محروم رہ جائیں گے اور صرف مختلف پھولوں کے غیر منتظم مجموعے کو دیکھ کر ایک کیفیت طاری کرنے کی کوشش کریں گے۔ خدائی نظم و ترتیب ایک گلدستہ ہے۔ رسولی ترتیب آیات نے مختلف سورتوں اور رکوعوں کو گویا پھول بنا دیا ہے صحابہ نے اپنے اپنے ذوق کے مطابق ان پھولوں کو مرتب کر لیا تھا لیکن وہ سب جانتے تھے کہ خدائی نظم و ترتیب کیا تھی۔ ان میں سے اکثر اس گلدستہ سازی کے زمانے کی دشواریوں اور کاوشوں سے گذر چکے تھے اس لئے حضرت عبداللہؓ بن مسعود فرماتے تھے کہ میں نے ستر سورتیں رسول اللہؐ سے سیکھ کر محفوظ کی ہیں اور اُن کی نظم و ترتیب کو بدلنے کے لئے تیار نہیں۔ سنہ ۳۰ھ تک قرآنی سورتوں کے مختلف گلدستوں سے کام لیا گیا۔ اس کے بعد مسلمانوں میں خانہ جنگی شروع ہو گئی اور صحابیوں کے خون سے مل کر دوسرے مسلمانوں کا خون بہنے لگا حتیٰ کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے زمانے تک یہ حالت ہو گئی کہ لوگ قرآن کے پس منظر (کلام جاہلیہ، معاشرت و ادیان جاہلیہ وغیرہ) کی تحقیق پر مجبور ہو گئے

ص

اسلام کی پوری تاریخ سے واقف ہیں یا کسی ایک امام فقہ کو مان لینے کے بعد اپنی زندگی ان کے بتائے ہوئے راستے پر ڈھال چکے ہیں اس لئے ترتیل کے لئے مصحفِ عثمانی کی ترتیب سور صرف اُن مسلمانوں کے لئے موزوں ہے جو ایک مسلک فقہ پر قائم ہو چکے ہیں۔ لیکن محدثین کی کثیر تعداد کی رائے ہے کہ ترتیب سورِ قرآنیہ توقیفی نہیں ہے۔ امام مالکؒ۔ قاضی ابوبکرؒ اور ابن فارسؒ اسی گروہ سے ہیں اور کہتے ہیں کہ ترتیب سور قرآنیہ صحابہ کے اجتہاد پر مبنی ہے۔ مختلف صحابیوں نے اپنے اپنے مصحفوں کی ترتیبیں اپنے اپنے اجتہاد سے دے رکھی تھیں۔ ان ہی میں سے ایک مصحفِ عثمانی بھی ہے۔ البتہ قرآن کی بہت سی سورتوں کو رسول کریمؐ ایک خاص ترتیب سے تلاوت فرماتے تھے (دیکھئے کتاب التبیان الجزائری)

۲۔ تفسیر القرآن بالقرآن

قرآن وحی ہے جو منجانب اللہ ہے یعنی یہ شیطانی اِلقایا وسواس الخناس سے دور کا بھی تعلق نہیں رکھتی۔ علم الجمال کے جاننے والے جانتے ہیں کہ شعر یا تصویر میں زندہ تصورات و محسوسات کا ایک پرکیف، خوبصورت اور منظم امتزاج ہی نہیں ہوتا بلکہ ایسی وحدت ہوتی ہے جو تاریخ و منطق وغیرہ کے خشک واقعات اور محسوسات کو زندہ و لرزاں تصورات میں بدل کر الہام بنا دیتی ہے۔ اس الہامی کیفیت کا ظہور شعر یا تصویر کی صورت میں ہوتا ہے اس شعر یا تصویر کا یہ اعجاز ہوتا ہے کہ جن لوگوں کے سامنے یہ پیش کیا جاتا ہے وہ مسحور ہو کر کیف و سرور سے معمور ہو جاتے ہیں۔ بقول حسرت سامع کا ساغر دل رنگِ بادۂ الہام سے پر نور ہو جاتا ہے ؎

دِل کو خیالِ یار نے معمور کر دیا   ساغر کو رنگِ بادہ نے پرنور کر دیا

جابرؓ اور ابو موسیٰؓ سے بھی روایتیں ملتی ہیں۔

(۳) تابعین میں مجاہدؒ۔ سعید بن جبیر، الضحاک بن مزاحم، عکرمہ (مولیٰ ابن عباس) عطاء بن ابی رباح، محمد بن کعب القرظی وغیرہم مشہور ہیں۔ یہ اقوال صحابہ بتایا کرتے تھے۔

(۴) تابعین کے دور کے بعد لوگوں نے اقوال صحابہ و تابعین کو جمع کرنا شروع کیا۔ ان میں سفیان بن عیینہ۔ وکیع بن الجراح۔ عبد الرزاق۔ اسحاق بن راہویہ وغیرہ پہلے گزرے ہیں۔

(۵) ان کے بعد ابن جریر الطبری نے تنقید کا دروازہ کھولا اور بعض اقوال کو بعض پر ترجیح دی۔ یہ تفسیر بہت ہی اہم مانی جاتی ہے۔ اسی صنف میں ابن ابی حاتم، ابن ماجہ، الحاکم، ابن المقنذر وغیرہ بھی شمار کئے جاتے ہیں۔
(دیکھئے نووی: کتاب التہذیب)

(۶) اس کے بعد ہزارہا تفسیریں لکھی گئی ہیں۔ جو شخص جو فن جانتا تھا۔ اس کے ذریعے سے تفسیر قرآن کرنے لگا۔ مثلاً

تفسیر نحوی۔ الزجاج۔ الواحدی۔ ابی حیان

تفسیر اخباری :۔ الثعالبی (اس سے بحث نہیں کہ قصص و اخبار صحیح ہیں یا نہیں)

تفسیر فقہی :۔ القرطبی

تفسیر فلسفی :۔ فخر الدین رازی (فی تفسیرہ کل شیٔ الا التفسیر)

تفسیر مبتدع :۔ الزمخشری روایت کا انکار ہے بقول بعض ملحد ہے)

نمونۃً ہم سورۃ الحمد کے قرآنی مفہوم کو درج ذیل کرتے ہیں اور سید رشید رضا مرحوم کی لفظ بلفظ تائید کرتے ہیں کہ ترجمہ ہر زبان کا مشکل ہے لیکن عربی اور وہ بھی وحی الٰہی دوسری زبانوں میں نہیں سما سکتی۔ بہر حال ہم کوشش کرتے ہیں

تاکہ قرآن کی معنویت کو سمجھ سکیں۔ احادیث و اخبار و سیر و مغازی آنحضرت ؐ کے زمانہ سے محفوظ ہو رہے تھے اور قرآن کو سمجھنے کے لئے عظیم الشان لٹریچر تیار ہو رہا تھا علم الجبال کے نقطۂ نظر سے پس منظر صورت ہے۔ اور نظم و ترتیب نزول قرآن معنی ہے۔ ان دونوں کے بغیر قرآنی وحی سے وہ کیفیت و اثر پیدا نہیں ہو سکتا جو ہونا چاہیے۔

بارہ سو سال سے قرآن کی تفسیریں کی جا رہی ہیں۔ اجل مفسرین نے لغت و حدیث کے ذریعے سے وحی ربانی کو سمجھنے سمجھانے کی کوشش بلیغ فرمائی ہے۔ اب تک یہ سلسلہ جاری ہے۔ چونکہ خود لغت کا تعلق معاشرت اقوام سے ہوتا ہے اس لئے لغات قرآن پر کافی مواد جمع ہو چکا ہے لغات قرآن کو حل کرنے کا بہترین طریقہ یہی ہے کہ قرآن کو خود قرآن سے سمجھا جائے۔ یعنی پہلے قرآن کو خدائی ترتیب تنزیل دے دی جائے اور پھر دیکھا جائے کہ مختلف مخاطبوں نے قرآن کے الفاظ و آیات کے کیا معنی سمجھے۔ اور خود قرآن نے کلموا الناس علیٰ قدر عقولہم کو ملحوظ رکھ کر ان کو کس طرح اور کیا سمجھانا چاہا۔ اسی طرح قرآن خود اپنی تفسیر بن جاتا ہے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ

(۱) قرآن کی تفسیر میں پہلا درجہ خود قرآن مختلف کتب سماویہ، تاریخ تمدن انسانی اور لغت عربی کا ہے بشرطیکہ قرآن کو تاریخی ترتیب سے سامنے رکھا جائے

(۲) اس کے بعد صحابیوں کا وہ طبقہ ہے جو تفسیر میں مشہور ہوئے۔ خلفاء راشدین میں حضرت علی کی تفسیری روایتیں سب سے زیادہ ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضؓ کی روایتیں حضرت علی سے بھی زیادہ ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس کو آنحضرت نے ترجمان القرآن کا نام دیا تھا۔ صحابہ میں حضرت انس رضؓ۔ ابوہریرہ رضؓ۔ ابن عمر رضؓ

بے چون و چرا بجا لائیں گے یعنی راضی برضائے آقا رہیں گے۔

(۲) ہم اللہ کو مالک یوم الدین مانتے ہیں اور ہمیں یقین ہے کہ وہ ہمیں کامرانی سے ہمآغوش کرے گا۔ وہ کسی عمل کو ضائع نہیں ہونے دیتا۔ اس کا قانون عدل اسے گوارا نہیں کرسکتا کہ ہمیں نیک عملی کی جزا کہیں نہ کہیں نہ ملے۔ لہٰذا اسی پر بھروسہ کرکے صرف اسی سے مدد مانگیں گے

(۳) ہم مغضوب علیہ ہونا سب سے بڑی لعنت سمجھتے ہیں۔ غیروں کے آسرے کو چھوڑ کر صرف اس لئے ہم اللہ کے انعامات حاصل کرنے یعنی اس کے غلام بننے کو اپنا فخر سمجھیں گے۔ شرک کی بے راہ روی اختیار کرنے یعنی خدا کے وجود سے منکر ہوکر خسارے میں نہ پڑیں گے۔

محمد اجمل خاں
جمعہ ۲۴ مئی ۱۹۵۲ء

بیت الحکمت
سنگم کتاب گھر دہلی

کہ پس منظر اسلام اور ترتیب تنزیل کی روشنی میں الحمد کی تین آیتوں کا قرآنی مفہوم ادا ہو جائے اور اس کے صوری و معنوی جمال کی انقلاب آفرینی کو اسی طرح سامع کے دل و دماغ تک پہنچے جس طرح یہ بلالؓ و صہیبؓ وغیرہ تک پہنچی تھی۔

اس رسالہ کے آخر میں ہم وہ ترجمے بھی درج کئے دیتے ہیں جو ہمیں اب تک مل سکے ہیں۔ ان سے صاف ثابت ہو جائے گا کہ عربی زبان اپنی معنوی حیثیت سے اتنی رفیع و وسیع ہے کہ دوسری زبانوں کی کوتاہ دامنی اس کی عظمت و پہنائی کا بوجھ نہیں اٹھا سکتی۔

پرتو حسنت نہ گنجد در زمین و آسماں   بلکہ حیرانم درون سینہ چوں جا کردۂ

امید ہے کہ وہ ارباب علم و فکر جو قرآنی انقلاب سے دنیا کو روشناس کرانا چاہتے ہیں۔ رکنان انقلاب (سورۃ العلق)، بیان انقلاب (سورۃ الحمد) اور قرآنی انقلاب (یعنی فتح حدیبیہ تک کے قرآن کو) جماعتی طریقے پر مدون کرا کر دنیا کی مختلف زبانوں میں پیش کرنے کا تہیہ کر لیں گے۔ اور جو معاندین دین فطرت اس میں رکاوٹ ڈالیں ان سے الجھنے کی جگہ یہ کہہ کر الگ ہو جائیں گے کہ لا یضرکم من ضل اذا اهتديتم، واذا خاطبهم الجاهلون قالوا سلاماہ

بیان انقلاب

سورۃ الحمد کی تین آیتوں میں اس بات کا عہد و پیمان ہے کہ

(۱) ہم سوائے اللہ کے اور کسی کی غلامی نہ کریں گے۔ یعنی ہم غیر اللہ کی معبودیت کو ہرگز برداشت نہ کریں گے بلکہ اس کے خلاف اعلان بغاوت کر دیں گے اور صرف اللہ کے احکام کو غلاموں کی طرح

بہت پہلے کا ہے۔ الحجر کا نزول بیدرہویں نمبر پہ ہے اور الفاتحہ سنلہ نبوی کے بعد جب آنحضرت طائف سے واپس ہوئے ہیں تب اس کا نزول ہوا ہے۔ دونوں میں کئی سال کا فاصلہ ہے۔ سبع مثانی سے وہ سات (یعنی کئی) کتب سماویہ مراد ہیں جو آنحضرت سے پہلے نازل ہو چکی تھی گویا ان کتب کی تعلیم اور ان کے علاوہ قرآن عظیم رسول اللہ کو دیا گیا ہے (ولقد آتیناک سبعاً من المثانی والقرآن العظیم o الحجر) اسی طرح سورۃ الزمر میں قران کو احسن الحدیث کہا گیا کہ یہ حدیث کتب اولین سے متشابہ ہے (اللہ نزل احسن الحدیث کتاباً، متشابھاً، مثانی۔ الزمر ع)

بہرحال اس سورہ کے ننانوے نام بنا لئے گئے ہیں۔ ہمارے خیال میں ان میں سے اکثر کا تعلق سورۃ العلق سے ہے اس لئے کہ ترتیب تنزیل کے کے اعتبار سے وہی سورۃ الفاتحہ اور اعلان انقلاب ہے۔

مکی قرآن کا پس منظر۔ غلامی، خوف اور جوع:

تنزول قران کے وقت دنیا میں مختلف قسم کی غلامیاں رائج تھیں اور ان کو رائج کرنے والے ایسی جماعتیں بن گئے تھے جو لوگوں کو جاہل رکھ کر ان سے ان کی محنت کا ثمرہ حاصل کر لیتی تھیں۔ پروہتوں، ساحروں شاعروں، بادشاہوں، امیروں کی یہ جماعتیں لوٹنے والی جماعتیں تھیں اور بیچارے غریب اپنی جان، مال عزت، آبرو ان دھوکے بازوں کی تخویف سے ان کے واسطے قربان کر دیا کرتے تھے۔

ذہنی غلام تو سب تھے۔ حتیٰ کہ پروہت و ساحر بھی اپنے خودساختہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ الحمد : مکیہ و مدنیہ

ثلاث آیات

پہلے ہر سورہ کا نام اس کے ابتدائی لفظ سے ہوتا تھا۔ اس لئے اس سورۃ کا قدیم ترین نام سورۃ الحمد ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود نے اس سورہ کو اپنے مصحف میں درج نہیں کیا تھا (ندیم فہرست ص ۲۴) حضرات حسینؓ و عکرمہؒ نے بھی جو ترتیب سور حضرت ابن عباس سے روایت کی ہے اس میں بھی سورۃ الحمد کا ذکر نہیں (سیوطی : اتقان ص ۱۰)۔ بہر حال یہ سورۃ الفاتحہ نہیں ہے۔ امام محی الدین نووی کا قول ہے کہ جماہیر سلف و خلف کا اتفاق ہے کہ اول ما نزل من القرآن سورۃ اقرأ تا ما لم یعلم ہے اور جابر کا یہ قول باطل ہے کہ المدثر پہلی سورت ہے۔

اس سورہ میں تین آیتیں ہیں۔ فضائل القرآن میں ابن الضریس کی کی روایت سے ثابت ہے کہ سورۃ الحمد مکہ میں ایک سورہ تھی۔ اس کے بعد اس میں خدا نے جو چاہا اضافہ کیا (اتقان ص ۱۰) عام طور سے سبع مثانی کی آیت کو پیش نظر رکھ کر سورۃ الحمد کی سات آیتیں بتائی جاتی ہیں جو نحوی اعتبار سے کسی طرح ممکن نہیں۔ اس کی پہلی دو آیتیں تا ایاک نستعین مختلف اوقات میں مکہ میں نازل ہوئیں اور آخری آیت مدینہ میں اس وقت نازل ہوئی جب یہودیوں سے تحویل قبلہ کے بعد بدمزگی پیدا ہو گئی تھی۔ غرضکہ یہ کسی طرح سبع مثانی نہیں ہے۔ سورۃ الحجر میں سبع مثانی کا جملہ نزول الحمد سے

اور عورت کی تعداد بڑھاتی رہتی تھیں سوائے چند امرا اور پروہتوں کے سب کی حالت زار تھی اور خوشی وراحت صرف آئندہ جنم کے لئے ایک امید موہوم بن کر رہ گئی تھی

اسلام کا مقصد

اسلام یعنی خدا کی غلامی اور شیطان سے بغاوت کا دین ہمیشہ سے دنیا میں تھا۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ لوگ شیطنت سے بچیں اور خدا کی بندگی کریں۔ ظاہر ہے کہ اس کا منشا، ابتدائے عالم سے یہی تھا کہ انسانی عقل و ضمیر آزاد ہو اور وہ اپنے عمل میں شیطانی گرگوں کا پابند نہ ہو یعنی شقعا، یا کاہن و ساحر یا سلطان و امیر اپنے نفع کے لئے انسان کو جاہل اور تنگ نظر نہ بنا سکیں لوگ آزادی سے خدا پرستی یعنی نیک عملی کی صراط مستقیم پر چلیں اس میں خدا کا کوئی فائدہ نہیں تھا بلکہ بندوں یعنی غلاموں ہی کا فائدہ تھا۔

محی اسلام یعنی رسول عربی صلعم نے دیکھا کہ دنیا میں بہت سے ہادی و مصلح و نبی آچکے ہیں۔ سب کی تعلیم نیک عملی کی تھی سب خدا پرستی سکھاتے تھے اور شیطنت سے انسانوں کو ان ہی کے فائدے کے لئے دور رکھنا چاہتے تھے۔ لیکن ہر زمانہ میں ایسے گروہ پیدا ہوتے رہے ہیں جو بغیر محنت دھوکے فریب سے روزی کماتے تھے اور لوگوں کو ذہنی و جسمانی غلام بناتے تھے۔ آنحضرت خود تاجر تھے اور ملکوں ملکوں میں پھر کر وحی ربانی سے وہ اس نتیجہ پر پہنچ گئے تھے کہ عاد و ثمود سے لے کر چھٹی صدی مسیحی تک کی تاریخ شاہد ہے کہ حق پرستی چھوڑنے اور حق پرستی کے لئے انقلابی کوشش صبر و ثبات کے ساتھ نہ کرنے سے انسان گھاٹے میں رہتا ہے۔ (والعصر)

دیوتاؤں کو خوش کرنے کی تقلید جا بد میں بھینٹ کر دیئے گئے تھے۔ جسمانی غلام یعنی جو اپنی محنت کی کمائی کو ان پروہتوں وغیرہ کے قریب پہ نذر کرتے تھے۔ وہ بھی کم نہ تھے اور ساحروں اور کاہنوں کے پاس امیر و غریب کی آمد و رفت کا تانتا بندھا رہتا تھا۔ یہ گویا آزاد غلام تھے جو ایک دوسرے کو جہل اور توہمات میں مبتلا کئے ہوئے تھے۔

ایک قسم جسمانی غلاموں کی تھی جن کو عبادت کی بھی آزادی نہ تھی ان کے علاوہ آزاد عورتوں کا درجہ بھی غلاموں ہی کے مانند تھا۔ انھیں مندروں اور پوجا کرنے والے پروہتوں کے گروہ سے الگ رکھا جاتا تھا۔ اگرچہ توہم پرستی نے بہت سی پاگل عورتوں کو بھی کاہنہ بننے کا شرف عطا کر دیا تھا۔

یوں کہنا چاہیئے کہ جہالت عام تھی اور بادشاہ سے لے کر ایک عام شہری تک سب ذہنی یا جسمانی غلامی اور توہمات میں مبتلا تھے۔

جسمانی غلامی کی سب سے تکلیف دہ صورت یہ تھی کہ آقا اپنی لونڈی یا باندی کے بچوں کو جانوروں کی طرح ماں کی گود سے چھین کر فروخت کر دیتا تھا اور آزاد لڑکیوں کو دیوتاؤں کے نام پر چڑھا کر زنا کرانے پر مجبور کرتا تھا۔ ویسے بھی باندیوں سے خرچی کموانا ایک عام بات تھی۔

غرضکہ غلامی کی وجہ سے جہل اور ان دونوں کی وجہ سے دنیا میں خوف اور بھوک عام طور پر پھیلے ہوئے تھے۔ غلاموں کی فوجیں اپنے آقاؤں کے لئے ایک ملک سے دوسرے ملک آتی جاتی رہتی تھیں اور غلام ساز بادشاہوں اور پروہتوں کے دیوتاؤں اور خود پروہتوں کے لئے دولت

کی کوشش کی۔ لیکن ہر زمانہ میں ایسے مجدد اور مصلح پیدا ہوتے رہے ہیں جو اس توازن کو دوبارہ قائم کرنے کے لئے کوشاں رہے۔ جزاہم اللہ خیرا

عنوان انقلاب یعنی وحی اوّل اصل میں دعوتِ انقلاب سورۃ العلق کے دو بنیادی تصورات میں مضمر ہے۔

اور دنیا کے دو بنیادی جھگڑوں کو اس کی پانچ آیتوں نے ہمیشہ کے لئے یقین کے رخ پر ڈال دیا ہے۔ فلسفی اور سائنٹسٹ اب تک حیران ہیں کہ ماہیتِ وجود کیا ہے اور علم کی کیا حقیقت ہے۔ ان دونوں کے متعلق جو نظریات وجود و نظریاتِ علم بنائے گئے ہیں ان کو دیکھئے تو شک و یقین یعنی ضلالت و ہدایت کی پوری تاریخ آپ کے سامنے آجائے گی اور انسانی سوسائٹی کی سیاسی و اخلاقی، مذہبی و اقتصادی یا مالی کی پوری تاریخ واضح ہو جائے گی

سورۃ العلق نے بتایا کہ حقیقت صرف روحانی حقیقت ہے۔ ہر وجود ایک ہی مرکز سے عالم امکان میں آیا ہے اور علم و سائنس یعنی کلمات اللہ و سنت اللہ کا منبع بھی رب (آقا) ہے جو اول و آخر، ظاہر و باطن بھی ہے اور رب السموات رب الارض اور رب العالمین بھی ہے۔ مختصر یہ کہ وسواس الخناس کی تقاضائی داخلاقی شیطنت کو ختم کر کے دنیا کو... انقلاب سے روشناس کرانا وحی اول کا مقصد عظیم ہے۔ صرف اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے لعبکا قرآن نازل ہوا جو مختلف تاریخی ادوار سے گذرا جو صرف ترتیب نزول قرآن سے معلوم ہو سکتا ہے

سورۃ الحمد اور انقلاب سورۃ الحمد کی ابتدائی دو آیتیں مکی ہیں۔ آخری آیت مدنی ہے۔ اس میں بھی سورۃ العلق کا وہی انقلابی پیغام موجود ہے جس نے دنیا کو شک سے نکال

اسی لئے آنحضرت کی پوری زندگی اقتصادی اور معاشرتی اونچ نیچ کو
دور کرنے کے لئے ایک مضبوط انقلابی پارٹی بنانے میں صرف ہوئی تاکہ یتیم
متشکک اور مفلس کو پناہ، ہدایت اور دولت نصیب ہو (والضحیٰ)

مدینہ میں فتح حدیبیہ تک انقلابی جماعت میں رخنے پڑتے رہے۔
مشرک اور یہودی منافقوں نے اسلام اور مسلمانوں کو ختم کرنے کے لئے کوئی کسر
نہ باقی رکھی تھی۔ آخر حدیبیہ میں ایسی انقلابی جماعت بن ہی گئی جو منافقوں سے
پاک تھی۔ اس کے بعد ہی پورا جزیرۃ العرب مسلمان یعنی اللہ کا مطیع ہو گیا

اس کے یہ معنی ہوئے کہ آنحضرتؐ کا مقصد دعوت یہ تھا کہ ایک ایسی
اسلامی سوسائٹی بنائی جائے جس میں بد عملی ناممکن ہو جائے یعنی آپؐ نے
نہ صرف مصلحوں کی طرح نیک عملی کا پیغام سنایا بلکہ مجبور کر کے نیک عمل بنانے
والی سوسائٹی (کتابی آمریت) قائم کر کے دکھا دی۔ اس سوسائٹی کی بنیاد
ذہنی و جسمانی غلامی سے آزادی اور اقتصادی مساوات کے جوہر پر تھی۔
ہر فرد (یعنی دولت کتابیہ کے شہری) کا بیت المال پر حق تھا اور ہر فرد
پر دولت کتابیہ کے متعلق چند فرائض تھے۔ یہ حقوق و فرائض بہت کم مصلح
یا ہادی اپنی زندگی میں مکمل طور پر قائم کر سکے لیکن آنحضرتؐ نے ایسی دولت
(سلطنت) اللہ کی مدد سے قائم کر دی اور اقتصادی ناہمواری دور کر کے
سماجی ترقی کی بنیادیں استوار کر دیں یعنی فرد اور سوسائٹی کا تضاد باقی نہ رہا۔

یہ کتابی سوسائٹی اس وقت سے انتشار کے عالم میں مبتلا ہوئی جب
سے افراد نے جماعت کو اپنی اغراض کا آلہ کار بنانا شروع کیا۔ پہلے ہئیت
اسلامیہ میں انفرادی آزادی اور جماعتی آمریت دونوں کا توازن قائم تھا
اگرچہ حضرت عثمانؓ کے زمانے ہی میں اس توازن کو ارتجاعیوں نے ختم کرنا

ضروری ہے تاکہ صبر و صلوٰۃ اور حمد و استعانت کا حقیقی مفہوم واضح ہو جائے۔

سورۃ الحمد اور سورہ یوسف

۱۔ **پس منظر** کسی تفسیر میں دیکھیئے، آپ کو یہ نہ معلوم ہو گا کہ جب آنحضرتؐ شعب ابی طالب میں بنو ہاشم اور بنو المطلب کے ساتھ محصور تھے اور مقاطعۂ قریش کے مصائب برداشت کر رہے تھے تو اس وقت کون سا قرآن نازل ہوا تھا اور اس کا مخاطب کون تھا؟ کیا صرف وہ تین چار افراد تھے جو مومن ہو چکے تھے یا روئے سخن بنو ہاشم و بنو مطلب کی طرف تھا، جو اگرچہ مسلمان نہ تھے لیکن آنحضرتؐ کے بجائے میں مقاطعہ کے مصائب برداشت کر رہے تھے یا یہ کہنا چاہیئے کہ اس زمانہ کے قرآن کا مقصود یہ تھا کہ رسول اللہ اس کی روشنی میں آئندہ کا پروگرام بنائیں۔

جہاں تک قرآن و سیرت سے معلوم ہوتا ہے وہ یہی ہے کہ اس زمانہ کے قرآن میں آپ کو قیام دولت کتابیہ کا پیغام دیا گیا تھا اس لیئے شعب سے نکلنے کے بعد آپ نے نہایت سرگرمی سے قیام دولتِ کتابیہ کا کام شروع کر دیا۔

سورۂ یوسف شعب کے محاصرے کے زمانہ کی تعلیم ہے۔ یہ ان ہی حالات میں دنیا کے بے کسوں اور مجبوروں کے لئے پیغام ربانی ہے یعنی اس کی روشنی میں وہ کام کریں تو یقیناً نصرت الٰہی اور فتح ان کا ساتھ

کر یقین کا، شیاطین کی غلامی سے نکال کر اصلی آقا کی بندگی کا راستہ دکھایا۔ اسے پیمانِ انقلاب کہیں تو بجا ہے

پس منظرِ اسلام اور ترتیب نزول قرآن اب ہماری کوشش ہے کہ سورۃ الحمد کو اس کے تاریخی پس منظر اور قرآن کی تاریخی ترتیب کی روشنی میں دیکھیں سورۃ الحمد کا نصف اول آنحضرت کے شعب سے نکلنے اور طائف سے واپسی کے بعد نازل ہوا۔ پھر آخری آیت مدینہ میں نازل ہوئی جہاں یہود و نصاریٰ تھے اور صراط کا لفظ عام طور سے رائج تھا اور جس جگہ مغضوب علیہم سود خوار مغرور پناہ گزینوں کی بڑی تعداد تھی۔

ترتیب نزول اور سورۃ الحمد شعب ابی طالب سے سنہ ۱۰ نبوی میں تین سال کے مصائب سے نجات ملی تو آنحضرت طائف تشریف لے گئے شعب میں منجملہ اور سورتوں کے سورۂ یوسف نازل ہوئی جس میں سورۃ الحمد کا پورا تصور موجود ہے۔ پھر طائف سے واپسی کے بعد نخلہ میں سورۂ الجن نازل ہوئی جس سے "عالمین" کا تصور واضح ہو جاتا ہے۔ اسی زمانے میں جبکہ سیدہ خدیجہؓ کی وفات ہو چکی تھی، جناب ابو طالب بھی انتقال کر چکے تھے اور مکہ کا ہر شخص خون کا پیاسا تھا، سورۂ اسراء نازل ہوئی جس میں بنو اسرائیل کی طرف توجہ کا اشارہ ہے۔ یہی وہ زمانہ ہے جب دنیا میں کوئی پناہ کی جگہ نہ تھی کہ آپؐ قطعی سراساں اور ناامید نہیں ہوئے اور صبر و صلوٰۃ سے خدا کی مدد کے یقین پر تبلیغ فی القبائل کرتے رہے۔ سورۃ الحمد اسی کشمکش اور ابتلا کے زمانہ کی یادگار ہے۔ اس لئے سورہ یوسف اور سورۂ جن کا مطالعہ

ہوتی ہے۔ عجاردہ (خوارج کی ایک شاخ) نے بھی اسے قصہ سمجھا تھا۔ اور یہ رائے قائم کرلی تھی کہ یہ قرآن کا جزو نہیں ہے۔ اس لئے کہ ان کے خیال میں حسن و عشق کا قصہ بیان کرنا خدا کی شان سے بعید ہے" (شہرستانی عجاردہ) بہرحال مسلمان بھی اسے قصہ ہی سمجھتے رہے اور اردو میں تو اسے نظم کا جامہ بھی پہنایا گیا۔

لیکن یہ قصہ نہیں بلکہ موعظت ہے۔ یا مجبور و مقہور لوگوں کے لئے ایک آزادی کا پیغام ہے۔ اس سورہ میں "نحن نقص علیک احسن القصص" کے الفاظ بھی آ گئے۔ اس لئے قصص کو قصہ (یعنی کہانی) کی جمع سمجھ لیا گیا۔ حالانکہ خود نقص کے معنی بیان کرنے کے ہیں کہانی کے نہیں ہیں۔ یعنی جس طرح پہلے کہا گیا تھا کہ قرآن احسن الحدیث ہے ویسے ہی یہاں کہا گیا کہ یہ احسن القصص یعنی بہترین بیان ہے۔ اس کے آگے ہی لا تقصص رویاک ہے یعنی اپنا خواب بیان نہ کر۔ اسی لئے اس سورہ کے شروع میں صاف صاف کہہ دیا گیا کہ یوسف اور ان کے بھائیوں کے حال میں پوچھنے والوں (یعنی نہ جاننے والوں) کے لئے بہت سی نشانیاں نشانیاں (تنبیہیں) ہیں (لقد کان فی یوسف و اخوتہ آیات للسائلین ۞ اور آخر سورہ میں فرمایا لقد کان فی قصصہم عبرۃ لاولی الباب

غرض کہ شعب ابی طالب میں اس سورہ کی اصلی جگہ ہے اور یہ محض افسانہ نہیں ہے بلکہ مردہ قوموں کی زندگی بخشنے اور آزاد کرنے کا پیغام ہے حسن جنیاز روزہ کی کشش، مال و دولت کی طمع کی طرح انسان کو فریب میں ڈال کر اسے خیانت و سرقہ پر مائل کر سکتی ہے لیکن جو فرشتہ خصال (ملک

دے گی۔ نصف سورۂ الحمد شعب سے نکلنے کے بعد ۱۰ نبوی میں نازل ہوئی ہے۔ اگرچہ اس کے متفرق مضامین اس سے پہلے کی سورتوں میں بیان ہو چکے ہیں۔

سورۂ الحمد کا پس منظر یہ ہے کہ جس طرح حضرت یوسفؑ باوجود برادران یوسف کی شرارتوں کے خود مصری عورتوں کے پاجی پن سے زندانی بننے پر مجبور ہوئے۔ اسی طرح رسول اللہ کو اپنے ہم وطنوں اور رشتہ داروں کی شرارت سے شعب میں محصور اور بہت سوں کو حبشہ جلا وطن ہونا پڑا۔ آخر رب العالمین نے ان کی مدد کی اور سب برادران یوسف کی طرح آنحضرت کے آگے سرنگوں ہو گئے۔ اور آنحضرت نے فتح مکہ کے بعد مثل یوسف کے یہ کہا کہ لا تثریب علیکم الیوم۔

لیکن اس شرط کو پورا کرنے کے لئے ضرورت ہے کہ سلطنت قائم کی جائے اور جتنی فرعونی طاقتیں ہیں جو ارباب من دون اللہ کو مانے ہوئے ہیں وہ فنا کی جائیں اور پھر الحکم یومئذٍ للہ کو سب مان لیں گے۔ اسی لئے اس سورہ کے آخر میں فرمایا کہ ناامیدی سے پہلے نصرت الٰہی پہنچ جاتی ہے (حتّٰی اذا استیأس الرسل وظنّوا انہم قد کذبوا جاءھم نصرنا فنجّی من نشاء ط ولا یردّ بأسنا عن القوم المجرمین۔

نظم سورۂ یوسف

اگر ہم اس سورہ کے مضامین کی نظم و ترتیب پر نظر رکھیں تو یہ قصہ نہیں بلکہ قیام سلطنت وکتابیہ کا ایک پروگرام بن جاتا ہے۔ ہمارے عوام میں یہ قصہ عرصہ دراز سے بہت مقبول ہے یہود و نصاریٰ بھی اسے توریت کے ان چند بے مثل قصوں میں شمار کرتے ہیں جن سے آج تک دنیا والوں کو مسرت بے پایاں حاصل

سال مزید قید میں رہنا پڑا۔ (وقال ۔۔۔ اذکرنی عند ربک فانساہ
الشیطان ذکر ربہ ۔ فلبث فی السجن بضع سنین ۔ (۴۲)

(ہ) پھر جب بادشاہ نے ساقی کے ذریعہ حضرت یوسف کو بلایا تو انھوں نے کہا جا اپنے آقا (رب) سے کہدے کہ پہلے میرے الزام کو ہٹلے اور ان عورتوں سے باز پرس تو کرے جنھوں نے اپنے ہاتھ کاٹے تھے۔
(وقال الملک ائتونی بہ ۔ فلما جاءہ الرسول قال ارجع الی ربک
یعنی آقا کے پاس ۔

(د) اسی آیت میں ہے ۔ عورتوں کے مکر سے میرا آقا (جس نے مجھے خریدا تھا ۔ واقف ہے (ان ربی بکیدھن علیم (۵۰)

غرضکہ رب کے معنی قرآن سے بھی ثابت ہیں کہ وہ آقا یا خواجہ یا مالک کے لئے استعمال ہوتا تھا ۔ چونکہ اصلی آقا اللہ ہے لہذا اُسے بھی رب کہا گیا اور بتایا کہ وہ سب آقاؤں کا آقا ہے۔

العالمین (انسان ۔ قومیں ۔ لوگ) اسی سورہ میں زبان وحی سے رسول اللہ نے فرمایا کہ مجھے یہ خبریں خدا کی وحی سے معلوم ہوئی ہیں ۔ حالانکہ میں برادران یوسفؑ کے اس اجتماع میں جبکہ وہ مکر کی باتیں سوچ رہے تھے موجود نہیں تھا ۔ لیکن باوجود اس کے اس سے جو عبرت حاصل ہوتی ہے وہ بغیر خدا کی وحی کے حاصل نہیں ہوسکتی تھی بہرحال میں کتنا ہی چاہوں منکرین حق اس کو نہ مانیں گے اور عبرت نہ حاصل کریں گے ۔ باوجودیکہ میں اس موعظت کا کوئی معاوضہ نہیں مانگتا اور کل انسانوں کو بغیر کسی معاوضے یا صلے کے نصیحت کرتا ہوں ۔
(وما اکثر الناس ولو حرصت بمؤمنین (۱۰۳) وما تسئلھم علیہ

ہو اس کے سامنے قریش کی شاہی اور حسین ترین عورت کی پیشکش ایک بے معنی چیز ہی نہیں بلکہ خیانت ہے۔ اسی لئے اسی سورہ میں فرمایا کہ یہ موعظت بغیر کسی لالچ یا اجرت کے دی جاتی ہے۔ اصل میں حضرت یوسف علیہ السلام کے پیرایہ میں یہ رسول کریم کے نفسیاتی کیفیات کا نقشہ ہے۔

غرضکہ گلدستۂ قرآنی میں جس جگہ سورۂ یوسف کا پھول اللہ نے لگایا تھا وہیں اس کا حسن نمایاں ہو سکتا ہے، ورنہ اسے افسانہ سمجھئے یا تاریخ اصل نکتہ حل نہیں ہوتا۔

اس سورۃ پر غور کیجئے تو صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ جو مضامین سورۃ الحمد میں بیان ہونے والے ہیں ان میں سے اکثر اس سورۃ میں بیان کر دئے گئے ہیں۔ گویا سورۃ الحمد کے اجمال کی تفصیل سورۂ یوسف میں ہے

یعنی آقا کو ان آیتوں میں دیکھئے۔

رب

(ا) قال معاذ اللہ انہ ربی احسن مثوای (۲۳) (یوسف نے زلیخا سے کہا کہ تمہارا شوہر میرا آقا ہے۔ اس نے مجھ غلام کو اچھی طرح رکھا ہے۔

(ب) ءارباب متفرقون خیر ام اللہ الواحد القہار (۳۹) (کیا یکتا و یگانہ و زبردست اللہ کے علاوہ کئی آقاؤں کو ماننا اچھی بات ہے

(ج) اما احدکما فیسقی ربہ خمراً ...... (۴۱)

یعنی وہ قیدی جس نے انگور دیکھا ہے وہ اپنے **آقا** کو شراب پلائے

(د) پھر اس سے حضرت یوسف علیہ السلام نے کہا جب رہا ہو جانا تو اپنے رب (آقا) سے میرا ذکر کرنا۔ لیکن وہ اپنے آقا سے کہنا بھول گیا اور حضرت یوسف کو چند

زنا. یا دیکھئے کہ قدیم تصور کسی منکوحہ عورت سے زنا کا یہی تھا کہ وہ دوسرے کے مال کی چوری یا خیانت ہے۔ اسی لئے حضرت یوسف نے فرمایا کہ میں نے اپنے آقا کے پیٹھ پیچھے اس کے مال میں خیانت نہیں کی (ذالک لیعلم انی لم اخنہ بالغیب وان اللہ لا یھدی کید الخائنین) (۵۲) سبب اسی قدیم سوسائٹیوں میں زنا کی بھی سزا وہی تھی جو خیانت کی ہوتی ہے (دیکھئے قوانین سمیریہ و قوانین حمورابی)

سرقہ اور چوری کی سزا یہ تھی کہ چور کو مال مسروقہ کے مالک کا غلام بننا پڑتا تھا۔ سورۂ یوسف میں جزاؤہ کے یہی معنی ہیں کہ جس کے بورے میں پیالہ نکلے وہ اس کا غلام بنا دیا جائے

فھو جزاؤہ - کذالک نجزی الظالمین (۷۵)

ملک یوم الدین (یوم الفصل میں فیصلہ کرنے والا، یا قاضی) الحمد للہ کے سلسلے میں جو آیت ہے اس میں اسی یوم الفصل کو آخرۃ کہا گیا ہے۔ چونکہ مومن کے لئے اللہ کو قانونی فیصلہ کنندہ ماننے کو یوم البعث پر یقین رکھنا ضروری ہے اسی لئے حضرت یوسف نے فرمایا (انی ترکت ملۃ قوم لا یؤمنون باللہ - وھم بالاخرۃ ھم کافرون (۳۷) یعنی ایمان باللہ ہی میں ایمان بعث الموت اور یوم الفصل میں خدا کے قاضی یا ملک ہونے کا تصور مضمر ہے۔ اسی لئے حضرت یوسف نے فرمایا کہ ربا تو بادشاہ ہے۔ تو نے مجھے ملک عطا کیا (رب قد آتیتنی من الملک)

ایاک نعبد (عبد یعنی غلام) سورۂ یوسف میں فرعون مصر کو ملک یعنی شاہ مصر کہا ہے۔ اور اسی کے لئے اس

من اجرٍ ط ان ھوَ الّا ذکر للعالمین (۱۰۴)
صاف ظاہر ہے کہ نصیحت انسانوں کو ہی دی جاتی ہے لہذا عالمین
کے معنی سوائے انسانوں یا قوموں کے کسی طرح اور کچھ نہیں ہو سکتے

الرحیم (فضل و کرم مہربانی غلامی سے آزادی وحصول سلطنت) اللہ کی رحمت یا مہربانی یہ ہے کہ اس دنیا میں
سوائے اللہ کے کسی کا محتاج نہ ہو۔ جب وہ کسی اور کا بندہ نہ ہوگا تو لفقیناً
وہ خلیفۃ اللہ فی الارض ہو کر آزاد سلطنت کا فرد ہوگا۔ اس لئے حضرت
یوسف پر جو رحمت نازل کی گئی وہ یہی تھی کہ شاہ مصر نے انہیں خزائن الارض
پر افسر مقرر کر دیا اور وہ غلامی سے نکل کر آزاد ہو گئے موجودہ دنیا میں
خدا کی یہ رحمت برابر محسنوں پر ہوتی رہتی ہے دیکھئے (وکذالک مکنا
یوسف فی الارض یتبوأ منہا حیث یشاء نصیب برحمتنا من
نشاء ولا نضیع اجر المحسنین (۵۶) یعنی اس دنیا میں محسنوں یعنی خدا
پرستوں کو بدلہ مل جاتا ہے وہ ضائع نہیں ہوتا۔

یوم الدین (قانونی فیصلہ کا دن) یعنی آج یہاں دنیا میں جو کام کئے ہیں ان کا
اجر ملے ہی گا۔ لیکن ممکن ہے کہ بعض اس کشمکش حق و
باطل میں شہید ہو جائیں تو ان کا اجر قیامت میں ملے گا یعنی متقیوں
اور ایمان والوں کو بہت بڑا معاوضہ ملے گا۔ (ولاجر الاخرۃ خیر للذین
آمنوا وکانوا یتقون (۵۷) یہاں تقوی کے معنی بھی ظاہر ہو جاتے ہیں
یعنی وہ لوگ جو مثل یوسف کے برے کاموں سے بچتے ہیں۔ یعنی جس
طرح حضرت یوسف خیانت سے بچے اور اپنے آقا کی ملکیت میں تصرف
نہیں کیا یعنی زلیخا سے زنا نہیں کی

اللہ پر بھروسہ کرنے کا اعلان کردیا۔ یعنی موت ہو یا زیست ہر حال یا
ہر مصیبت میں صبر و صلوٰۃ کے ساتھ اللہ پر بھروسہ رکھنا چاہیئے
اور اسی سے مدد مانگنا چاہیئے۔ یہاں اَستعینوا بالصبر والصلوٰۃ
کے معنی بھی روشن ہو جاتے ہیں۔

الصِّراط المُستقیم (سیدھی شاہراہ یعنی اسلام۔ خدائے واحد یکتا کی عبودیت کا طریقہ) سورۂ یوسف میں
اُسے دین القیّم کہا ہے۔ دین یعنی راستہ، مذہب طریق، سبیل یا
صراط ہے اور قیّم وہی ہے جو مستقیم ہے۔ اکثر لوگ نہیں جانتے کہ دین
قیّم یا صراطِ مستقیم کیا ہے۔ اللہ کا حکم ہے کہ اس کے سوا کسی کی
بندگی (عبودیت) نہ کرو۔ یعنی اس کے سوا کسی دوسرے آقا کا
حکم نہ مانو۔ یہی اسلام ہے۔ یہی سورۂ فاتحہ میں صراطِ مستقیم
سے تعبیر کیا گیا ہے دیکھیے (اَمَرَ اَن لاتعبُدُوا اِلّا اِیّاہُ ط ذالک
الدین القیم ولاکنّ اکثر الناس لایعلمون ﴿۴۰﴾ صوفیائے کرام
اسی کو راضی برضائے الٰہی ہونا کہتے ہیں۔

اسی طرح سورۃ الانبیاء میں فرمایا۔ وما ارسلنا من قبلک من
رسولٍ اِلّا نوحی الیہ انّہٗ لا اِلٰہ اِلّا انا فاعبدون ﴿۲۵﴾
یہ عبودیت کا مرتبہ اور راضی برضائے مولیٰ ہونے کا شرف صرف اسی
وقت حاصل ہو سکتا ہے جب بندہ دوسرے اربابٍ سے منہ موڑ لے اور
صرف ایک "رب" یا آقا کا ہو رہے۔ اسی کی رضا یا اس کے احکام خود بخود
اس کے قلبِ منیر پر روشن ہوتے رہیں گے بقولہٖ: عَلّمَ الانسانَ ما لم یعلم
(سورۃ العلق) یعنی عنوانِ انقلاب کا مطالعہ اس سلسلے میں ضروری ہے۔

آیت میں "رب" کا لفظ استعمال کیا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ چونکہ
دنیا میں غلامی کا رواج تھا۔ اس لئے ہر آقا کو رب کہتے تھے اور سب آقاؤں
کا جو خداوند یا بڑا آقا شہنشاہ ہوتا تھا اسے ملک کہتے تھے۔ اسی کے
ہاتھ میں لوگوں کی جان، مال، عزت آبرو ہوتی تھی اور اسی کے چشم و ابرو کے
اشارے پر ہزار ہا سر تن سے الگ یا ہزاروں مفلس مالدار ہو جاتے تھے
ان ہی غلاموں میں سے ایک حضرت یوسفؑ تھے جو ایک قیدی کی کوٹھڑی سے
کس مپرسی سے نکل کر بادشاہ کے حکم سے اس کے وزیر اور خزانچی بن گئے
شعب میں یہی تصور آنحضرتؐ کے سامنے لایا گیا کہ خوف و حزن کو دور کرنے
والا وہی رب ہے جو مالک الملک ہے۔ وہ اس دنیا میں بادشاہت
اور آئندہ دنیا میں جزائے خیر دے گا۔ صرف اسی پر بھروسہ کرنے اور صبر و ثبات
سے مصائب کا مقابلہ کرنے کی ضرورت ہے۔

نوٹ: یہاں ایک اور بات غور طلب ہے کہ قرآن نے فرعون کا لقب استعمال
نہیں کیا بلکہ ملک کا لفظ کہا ہے۔ کیا اس کے یہ معنی ہیں کہ حضرت یوسف کے زمانہ
میں شاہانِ مصر نے اپنے لئے فرعون کا خطاب شروع نہیں کیا تھا۔ ماہرین مصریات
کا خیال ہے کہ یہ ایک لقب ہے اور ابتدائی سلطنت کے بادشاہ تھتمس
کے نام کے ساتھ یہ لقب نہیں ہے۔

(فرعون کے کئی معنی ہیں۔ یا تو وہ سورج دیوتا کو کہتے تھے جو مصری تثلیث
کا ایک اقنوم ہے اور عقاب کی شکل کا ہے۔ یا ایک فاتح عقاب کو کہتے تھے۔ تبھی
اس کا یہ مطلب ہوتا تھا کہ سورج دیوتا "را" کا اوتار یا بیٹا ہے۔ اس کے
معنی آقا (ایتی) کے بھی تھے۔

اِیَّاکَ نَسْتَعِین کے معنی وَاللّٰہُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰی مَا تَصِفُوْنَ
سے ظاہر ہوتے ہیں۔ اس سے پہلے "صبر جمیل" کا
بلیغ جملہ ہے جو حضرت یعقوب نے مرگ یوسف کی خبر پر کہا اور صرف

برادران یوسف نے کہا کیا خوب! آپ ابھی ابھی پرانے شک یا
دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں کہ یوسف زندہ ہے۔
قالو اتاالله انک لفی ضلالک القدیم (۹۴)

قرآن کا روئے سخن کس کی طرف ہے

قرآن کا ترتیب نزول کے مطابق

مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ یہ اُن صاحب شعور لوگوں کے لئے ہے جنہیں اختیار دیا گیا ہے کہ وہ موجودہ زندگی میں اچھا راستہ اختیار کریں یا بُرا راستہ۔ اسی لئے اس کو ذکرٌ للعالمین " کہا گیا ہے۔ اس کے لئے تذکرہ، ذکریٰ۔ قول فصل۔ بیان۔ ھذالحدیث۔ الحق۔ مثل ما انتطقون ھدیٰ۔ امام۔ رحمۃ۔ الکتاب۔ حکمہ۔ فصل خطاب۔ قرآن عربی۔ وحی۔ فرقان ذکر مبارک۔ بلاغ مبین۔ احسن الحدیث۔ کتابا متشابہا مثانی۔ بصائر۔ القول الثابت۔ نور۔ آیات بیّنات۔ شفاء۔ کتاب عزیز۔ قرآنا عجبا۔ بشریٰ۔ القائے حکیم۔ موعظت۔ تفصیل الکتاب۔ الروح کہا گیا ہے ظاہر ہے کہ یہ تذکرہ و بشارت غیر ذوی العقول کے لئے نہیں ہو سکتا (تبارک الذی نزل الفرقان علیٰ عبدہٖ لیکون للعالمین نذیرا ؁ الذی لہ ملک السمٰوٰتِ والارض ولم یتخذ ولداً ولم یکن لہٗ شریکٌ فی الملکِ (الفرقان) یعنی عالمین کو خبردار کرنے کے لئے اپنے عبد (بندے) پر بادشاہ ارض و سما نے اس فرقان کو نازل کیا ہے۔ اُسے بیٹے کی ضرورت نہیں۔ کہ مرنے کے بعد وہ اُس کا وارث ہو۔ اس لئے کہ وہ حی قیوم ہے اور اُس کی بادشاہی میں کوئی شریک نہیں ہو سکتا۔

الحمد للہ شکر گذاری سوائے خدا کے کسی اور آقا اور آقاؤں کی جائز نہیں ورنہ یہ شرک ہے ۔ اللہ کو ماننے کے معنی یہی ہیں کہ وہی خالق ہے اور آخرۃ میں پیدا کرنے والا بھی وہی ہے وہاں وہ ہمارے اعمال کی جزا دے گا ۔ یہی دین ابراہیم ہے ۔ حضرت یوسفؑ نے فرمایا کہ میں نے ان لوگوں کے طریقے کو چھوڑ دیا ہے جو نہ اللہ کو مانتے ہیں نہ آخرت کو ۔ اِنّی ترکتُ مِلَّةَ قومٍ لا یؤمنونَ باللہِ وَھُم بالآخرۃِ ھُم کافرون ﴿۳۷﴾ واتبعتُ مِلّۃَ آبائی ابراھیمَ واسحاقَ ویعقوبَ ۔ ما کانَ لنا ان نُشرکَ باللہِ من شیءٍ ۔
یعنی شرک نہ کرنا اور خدائے یکتا کو ماننا ہی حمد ہے ۔ یہی شکر بمقابلہ کفر ہے ۔

اَنعمتَ علیہم اس آیت ہی میں آگے بتایا ہے کہ خدا کا انعام یا فضل کیا ہے فضل یہی ہے کہ ہم سوائے اللہ کے کسی کو آقا نہ مانیں اور انسانی عزت و شرف کو غیر اللہ کی بندگی کر کے خاک میں نہیں ملائیں ۔ موحد اور خدا پرست ہونا ہی اللہ کا فضل و انعام ہے ۔ ما کانَ لنا ان نُشرکَ باللہِ من شیءٍ ذٰلکَ من فضلِ اللہِ علینا وعلی النّاسِ ولٰکنَّ اکثرَ النّاسِ لا یشکرون ﴿۳۸﴾ یا صاحبَیِ السّجنِ ءَ اربابٌ متفرّقونَ خیرٌ امِ اللہُ الواحدُ القہّار ﴿۳۹﴾ یعنی مشرک نہ ہونا اور موحد ہونا ہی اللہ کا فضل و انعام ہے ۔

ولا الضّالین ضلال (بھول چوک ، غلطی ، شک ، دھوکا ، کسی کے بہکانے سے بہک جانا) ضلال ۔ غلطی چوک ۔ انّا لنرٰھا فی ضلٰلٍ مبین ﴿۳۰﴾ مصر کی عورتوں نے کہا یقیناً زلیخا کو اس کے غلام نے لبھا لیا ہے اور ہم اسے ہم صریح غلطی (بھول چوک) میں مبتلا دیکھتے ہیں ۔

ضلال : دھوکا ۔ شک ۔ جب برادران یوسف ، حضرت یوسف کا پیرہن لے کر آئے تو حضرت یعقوبؑ نے فرمایا کہ یوسف کے پیرہن کی بو آتی ہے

ان ہی بے جان مخلوقات کی مانند، قرآن میں ایک اور مخلوق کا ذکر کیا ہے جو غیر ذی شعور اشیاء کی مانند خدا کے احکام کو بے چون و چرا بجا لاتے ہیں یا یوں کہنا چاہیئے کہ ان میں سرتابی عصیان، طغیان کی طاقت ہی نہیں وہ اپنی فطرت سے مجبور ہیں کہ خدا کے ہر امر کو بجا لائیں یعنی وہ ایسے عبد ہیں جو اپنے آقا کے امر کے مطابق عمل کرتے رہتے ہیں۔ ان کو قرآن نے کہیں ملک کہا ہے، کہیں حافظ و رقیب، کہیں کراماً کاتبین، کہیں جنود الملئکۃ المقربون، رسول کریم، مرسل، روح، روح الامین، روح القدس الذین یحملون العرش، رسلاً اولی اجنحۃ، حرس شدید، امر رب کہا ہے۔ یہ ملک، فرشتے یا خدا کے فرماں بردار، غلام اپنا کام پوری امانت سے کرتے رہتے ہیں۔ تسبیح رب یعنی احکام رب کی تعمیل پر مجبور ہیں۔ ان کی خلقت ہی ایسی بنائی گئی ہے

اس لئے یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ قرآنی انذار و نصیحت ان کے لئے نہیں ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ خدا کی مخلوق، اگرچہ اس کی غلام ہے لیکن اشیائے غیر ذی شعور، اور فرشتے دونوں کی فطرت ایسی بنائی گئی ہے کہ وہ بندگی و غلامی پر مجبور ہیں۔ انھیں اس کا اختیار نہیں کہ وہ اوامر ربانی سے سرتابی کریں اس لئے ان کے اعمال کی پرسش ہے نہ جزا نہ سزا۔ اسی لئے قیامت میں عالم ملکوت و عالم ناسوت سے کوئی مواخذہ نہ ہوسکا یہ دونوں عالم مجبور ہیں مختار نہیں ہیں۔

اختیار اور جن و انس

قرآن اس مخلوق کے لئے ہے جسے اختیار ہو کہ وہ دنیا میں نیک عملی کا راستہ اختیار کرے یا بدعملی کا (وھدینٰہ النجدین: اور ہم نے اسے دونوں راستے بتا دیئے) یہ صاحب اختیار

قرآن میں عبودیت اور جبر و اختیار

قرآن میں سورۃ العلق پہلی سورۃ ہے اس میں خالق کائنات کو رب یعنی آقا کہا گیا ہے۔ اس کے علاوہ بعد کی سورتوں میں بھی جو خدا کی صفات بیان کی گئی ہیں ان میں ربوبیت یعنی خواجگی کا تصور موجود ہے مثلاً ملک الناس۔ الٰہ الناس۔ قادر۔ خالق۔ عظیم۔ عزیز۔ کبیر (بادشاہ)۔ ذی العرش (بادشاہ) ذوالقوۃ۔ ذوالجلال والاکرام احسن الخالقین۔ وہاب۔ قہار۔ خلاق۔ مقتدر۔ ملک الحق۔ و ملکوت کل شیٔ۔ فاطر السموات والارض وغیرہ

جبر اور عالم ناسوت و ملکوت

رب کے مقابلے میں عبد کا لفظ ہے یعنی آقا کا بندہ یا غلام یعنی خدا کے خالق کی وہ مخلوق جس کی حیثیت ایک لونڈی غلام کی سی ہے۔ خدا کی مخلوق میں جاندار اور بے جان چیزیں دونوں داخل ہیں۔ جہاں تک بے جان چیزوں کا تعلق ہے انہیں خدا نے اختیار نہیں دیا کہ وہ امر رب سے سرتابی کر سکیں انہیں مجبوراً یعنی طوعاً و کرہاً قوانین قدرت کے مطابق عمل کرنا پڑتا ہے۔ اسی واسطے قرآن نے کہا ہے

۱۔ وللہ یسجد ما فی السماوات والارض طوعاً و کرہاً (الرعد) آسمان و زمین کی ہر چیز مجبور ہے کہ وہ خدا کے حکم پر چلے (الحدید، الرعد)

۲۔ یسبح للہ ما فی السماوات والارض وھو العزیز الحکیم ہ لہ ملک السماوات والارض یحیی و یمیت وھو علی کل شیٔ قدیر (الحدید) زمین و آسمان کی ہر چیز اللہ کی تسبیح کرتی ہے وہ سب سے طاقتور اور حکمت والا ہے۔ سارے آسمان زمین کی بادشاہی اسی کی ہے وہی جلاتا ہے اور مارتا ہے۔ وہی ہر چیز پر قادر ہے (الحدید)

سورۂ جن اور سورۃ الحمد

سنہ نبوی میں طائف سے واپسی کے بعد آنحضرت نے نخلہ گاؤں میں قیام فرمایا تھا۔ اسی مقام پر سورۃ الجن نازل ہوئی تھی جس میں اس بات کا ذکر ہے کہ جنوں کو آنحضرت نے دیکھا نہیں لیکن وحی ربانی سے معلوم کیا کہ انہوں نے قرآن کو سنکر کہا کہ یہ کلام عجب ہے (قُل اُوحِیَ اِلَیَّ اَنَّہُ استمع نفر من الجن فقالوا انا سمعنا قرآنا عجبا ہ یھدی الی الرشد فآمنا بہ ولن نشرک بربنا احداہ) اور وہ اس پر ایمان لے آئے اور اپنے رب کے شرک سے توبہ کی (یہاں شرک کے معنی بھی صاف ہو جاتے ہیں کہ اپنے آقا (رب) کے حکم کے سوا کسی اور کا حکم ماننا شرک ہے)

بہرحال جن بھی دو قسم کے ہوتے ہیں ایک مسلم (فرماں بردار) دوسرے قاسط (نافرمان) (وانا منا المسلمون ومنا القاسطون : سورۂ جن)

صراط مستقیم اور سورہ جن

فمن اسلم فاولئک تحروا رشداً۔ یعنی ان جنوں میں سے جو اپنے آقا کے فرماں بردار ہیں وہ سیدھے رستے پر چلے۔ یہ وہی بات ہوئی کہ (ان اللہ ربی وربکم فاعبدوہ ھذا صراط مستقیم ہ) یعنی عبودیت رب کرنا ہی صراط مستقیم یا راہ رشد و ہدایت ہے جس کا لازمی نتیجہ فلاح دارین ہے اور نافرمانی کا نتیجہ جہنم ہے (واما القاسطون فکانوا لجہنم حطباً) نافرمان جنات جہنم کے کندے بنیں گے۔

غرضکہ سورۃ الجن سے بھی صاف روشن ہے کہ معشر الجن بھی اپنے اعمال کے جوابدہ ہوں گے اس سے ثابت ہے کہ وہ اپنے اعمال میں مثل انسانوں کے مختار ہیں۔

اس سورہ کے بعد ہی سورۃ الحمد کی مد آیتیں نازل ہوئی ہیں لہذا

اور ذی شعور ہستی انسان کی ہے۔ اسی لئے قرآن الحکیم صراط مستقیم یعنی اللہ کی غلامی کا رستہ بتانے کے لئے آیا ہے۔

لیکن انسان کے ساتھ ساتھ قرآن نے بار ہا جنات کا بھی ذکر کیا ہے مثلاً الخناس جن اور انس دونوں ہوتے ہیں (سورۂ والناس) یا سورۂ الرحمان میں بار بار جن و انس کو مخاطب کیا گیا ہے اور بتایا ہے کہ انسان مٹی سے اور جنات آگ کے شعلے سے بنائے گئے ہیں (خلق الانسان من صلصال کالفخار ۵ وخلق الجان من مارج من نار) اسی سورہ میں جن و انس کو ثقلان یعنی دو گروہ بتایا ہے اور پوری سورۃ میں یہ بتایا ہے کہ دونوں گروہ ایسے افراد پر مشتمل ہیں جو اللہ کی نعمتوں (آلاء اللہ) کو جھٹلاتے رہیں۔ ان سے یہ بھی کہا گیا کہ قیامت کے دن انس و جن سے ان کے گناہوں کے متعلق نہ پوچھا جائے گا (فیومئذ لا یُسئل عن ذنبہ انس ولا جان) بلکہ گناہگاروں کے چہرے ہی ان کے جرائم کی گواہی دیں گے غرضکہ قرآن سے ثابت ہے کہ آقائے ذوالجلال کی بندگی و عبودیت کے لئے جن و انس پیدا کئے گئے (ما خلقت الجن والانس الا لیعبدون ۵ الذاریات) اور اس بندگی پر نہ تو عالم انس مجبور ہے نہ عالم جن بلکہ وہ بخلاف عالم ناسوت و عالم ملکوت کے مختار ہیں کہ وہ اپنے رب (آقا) کے احکام کو بجا لائیں یا اُن کی تکذیب کر کے سرتابی کریں۔ بہر حال وہ اس دنیا میں مختار ہیں اور یوم الدین میں انہیں اس اختیار کے صحیح یا غلط استعمال کی جزا اور سزا ملے گی

―――(※)―――

ہر ایک گروہ کو عالم مانا جائے تو بھی یہ صرف ذوی العقول کے لئے ہے
اسی لئے کہا گیا کہ: ھٰذا بصائرُ لِلناسِ وھُدی و رحمۃ لقومٍ یوقنون ۝
یعنی یہ قرآن انسانوں کے لئے ہے

مفہوم سورۃ الحمد

پس منظر اسلام اور ترتیب نزول کی روشنی میں سورۃ الحمد کے الفاظ کی تحقیق

مخاطبین قرآن قرآن کا تخاطب مختلف زمانوں میں مختلف خیال کے لوگوں یا قوموں سے ہے۔ قرآن کا مقصد اصلاح انسانی بذریعہ ابطال عقائد باطلہ ہے۔ سورۃ الحمد کی پہلی دو آیتوں کے مخاطب مشرکین مکہ اور مشرکین عرب ہیں اور آخری آیت میں مغضوب علیہم اور ضالین سے مدینہ میں خطاب کیا گیا ہے اور پھر ان تینوں آیتوں کا مخاطب ہر انسان کو بنا کر اسے انسانوں کے لئے ایک دعا بنا دیا ہے۔

الحمد: پس منظر کسی کی تعریف کے دو پہلو ہوتے ہیں۔ ایک تو بے غرضی سے کی جاتی ہے اور دوسری غرض سے ہوتی ہے مثلاً آپ کسی پھول، یا شعر یا عمارت کے حسن سے متاثر ہو کر اس کی خوبیاں بیان کرنے لگیں اور اس کے بنانے والے کے کمال کو سراہیں تو یہ بے غرض تعریف ہوگی جو آپ کے دل سے نکلی ہوئی ہوگی۔ دوسری تعریف خوشامدانہ اور غرضمندانہ ہوتی ہے مثلاً کسی بادشاہ، حاکم، یا افسر کی تعریف کہ آپ ہفت اقلیم کے مالک ہیں اور ایسے عادل ہیں کہ نوشیرواں بھی آپ کے سامنے ہیچ ہے وغیرہ وغیرہ اس قسم کی جھوٹی تعریفیں کسی ذاتی منفعت کے لئے کی جاتی ہیں

اگر سورۂ جن اور اس سے پہلے شعب ابی طالب کا قرآن خصوصاً سورۂ یوسف پڑھ لی جائیں تو پھر سورۃ الحمد کو قرآن سے سمجھنے میں کوئی دشواری باقی نہیں رہتی۔

عالمین کہ عالمیَن سورۃ الجن میں ثقلین کے لفظ اور سورۂ رحمان میں معشر الانس والجن سے باربار تخاطب کو ذہن میں رکھئے کہ سوائے جن اور انس کے کوئی مخلوق مکلّف نہیں ہے۔ لہٰذا علمائے نحو کو اس پر غور کرنا چاہیئے کہ ربّ العالمین میں حجاج ابن یوسف کے حکم سے میم پر کہیں غلطی سے کسرہ تو نہیں دے دیا گیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عالمین کو عالم کی جمع سمجھ کر ہیژدہ ہزار عالم کو قرآن کا مخاطب ماننا پڑا۔ ظاہر ہے کہ ذوی العقول اور وہ بھی مختار مخلوق کے علاوہ قرآن عالم ناسوت سے متعلق ہے نہ عالم ملکوت ولاہوت وجبروت سے۔ اس کا تعلق صرف ان سے ہے جنھیں آخرت میں ان کے اعمال کی جزا یا سزا دی جائے گی۔ ہماری رائے میں وہ جن والنس ہیں اور یہ لفظ عالمیَن بفتحۂ میم بھی ہو سکتا ہے۔

اس کے علاوہ نحویوں نے اس بات کو بھی ایک قاعدہ کلیہ تسلیم کر لیا ہے کہ اگر تثنیہ کا استعمال صرف دو تک محدود ہو تو اس کو مجموع کی شکل میں استعمال کر سکتے ہیں لہٰذا یہ کہنا بالکل بجا ہوگا کہ اصل میں عالمیَن تثنیہ ہے اور صرف جن و انس کے لئے استعمال ہوا ہے لیکن صرف دو عالموں تک محدود دیکھنے کے لئے جمع کی شکل میں "عالمین" کہا گیا ہے۔

اس سے یہ بھی مراد ہو سکتی ہے کہ عالم انسانی کے اندر کئی عالم ہوں کوئی اچھے انسانوں کا گروہ ہو۔ کوئی بُرے انسانوں کا، کوئی مالداروں اور شاہوں کا کوئی مفلسوں اور غلاموں کا۔ اس طرح عالم انسانی کے

اُسے نہ خون و گوشت کی ضرورت ہے کہ اپنا پیٹ بھرے۔ نہ اس کی ضرورت ہے کہ کنواری لڑکیاں اُسے گا سنائیں یا پروہتوں کی جورو بنیں اور خدا کی جورو کہلائیں۔ البتہ آنحضرتؐ نے ایک طریقہ باقی رکھا کہ لوگ طواف کعبہ کر کے یہ ظاہر کریں کہ ہم خدا کے غلام ہیں اور اس کے اشارے پر اپنی جانیں دینے کو تیار رہیں اس لئے کہ دینے والا وہی ہے۔ بے مانگے دیتا ہے۔ اُس کی غلامی میں خود غلام کا فائدہ ہے رب کا نہیں ہے۔ غلاموں کی طرح اس کے قانون پر چلنا یعنی بے چون وچرا اپنی مرضی کو رضائے الٰہی کا پابند کرلینا ہی غلام کے لئے فوز عظیم ہے۔

لفظ الحمد اور ترتیب نزول

یُسبّح للہ ما فی السماوات وما فی الارض لہُ الملک ولہُ الحمد

(یعنی بادشاہت اور حمد صرف اسی کے لئے ہے (التغابن)

(۱) وسبّح بحمد ربّک حین تقوم (الطور) (یعنی اپنے آقا کی حمد لوا کرو)

(۲) وسبّح بحمد ربک قبل طلوع الشمس وقبل الغروب

(۳) والملائکۃ یُسبّحون بحمد ربّھم (الشوریٰ).

(۴) ھوالحیُّ لا الٰہَ الّا ھو فادعوہُ مخلصین لہ الدین۔ الحمدُ للہ رب العالمین ٥ (المؤمن) یعنی زندہ خدا کے علاوہ (مردہ) (بتوں وغیرہ) کو مدد کے لئے نہ پکارو ۔

حمد یعنی مدد کے لئے پکارنا اور اظہار شکر کرنا صرف اللہ کے لئے مخصوص ہے یہاں یہ معلوم ہوتا ہے کہ حمد کے معنی استعانت کے ہیں۔ اسی سورہ میں ہے (فاصبر ان وعد اللہ حقٌ واستغفر لذنبک وسبح بحمد ربک بالعشی والابکار (یعنی صبر کرنا الرب کو مدد کے لئے پکارنا ہی تسبیح حمد رب ہے

اسی ضمن میں وہ سب طریقے بھی داخل ہیں جو پروہتوں اور کاہنوں نے دیوتاؤں یا دیویوں کو خوش کرنے کے لئے ایجاد کئے ہیں۔ مقصد ان کا صرف یہ ہے کہ لوگ بے وقوفی سے اپنی دولت دیوتاؤں کے نام پر دیں اور وہ خود مزے کریں۔ پھر دیوتاؤں کی بھی قسمیں ہیں۔ بعض نیک ہیں بعض شریر لیکن دونوں کو خوش رکھنے کے لئے اور بروں کے شر سے بچنے کے لئے وہی طریقے اختیار کئے جاتے ہیں جو امرا یا سلاطین کو خوش کرنے کے ہوتے ہیں۔ کوئی نذرانوں سے خوش ہوتا ہے، کوئی کنواری لڑکیوں سے لطف اٹھانا چاہتا ہے یا ناچ گانا پسند کرتا ہے۔ قربانی کا خون جیسے جوہر حیات سمجھا جاتا ہے وہ بھی دیوتاؤں کی پسندیدہ غذا ہوتی ہے۔ کسی نے دیوتاؤں کو زیادہ خوش کرنا چاہا تو وہ اپنے لڑکے کو ہی قربان کر دیتا ہے اور جو یہ نہیں کر سکتا وہ دیوتاؤں کے مندروں کے گرد پھیر کر (طواف یا پریکرما) سے یہ ظاہر کرتا ہے کہ میں اپنی جان دیوتا کے لئے تصدق کرنے کو تیار ہوں۔ بہت سے جنگلی قبائل میں اب تک یہ رسم جاری ہے کہ دیوی یا دیوتا کے نام پر اپنے جسم کا کوئی حصہ کاٹ کر پیش کر دیتا ہے حتیٰ کہ زبان تک کاٹ کر پیش کرنا معمولی بات سمجھتا ہے بعض لوگوں کی تحقیق ہے کہ سامی اقوام میں ختنہ کی رسم اسی زمانے کی یادگار ہے جب کہ انسان اپنے جسم کا ایک حصہ دیوتا پر چڑھا دیا کرتا تھا۔ ظاہر ہے کہ اس سے بہتر اور آسان کیا طریقہ ہو سکتا تھا کہ فاضل کھال کا حصہ دیوتا کو پیش کر دیا جائے۔ یعنی سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔

آنحضرت نے قرآن کے ذریعہ تعریفوں اور شکر گزاریوں کے ان سب طریقوں کو منسوخ کر دیا بلکہ دیوتاؤں ہی کا خاتمہ کر کے صرف ایک اللہ کی طرف متوجہ کر دیا وہ الالہ (اللہ) چونکہ خود ہی ہر چیز کا خالق اور معطی ہے

کے سامنے پہاڑ بھی آجائیں تو وہ گرد ہو کر اُڑ جائیں گے۔

الله : پس منظر مختلف قوموں میں خدا کا تصور پیدا ہو چکا تھا۔ عربی زبان میں جس چیز کی پرستش کی جائے اُسے معبود یا الٰہ کہتے ہیں۔ الاہوں کی بہت سی قسمیں تھیں۔ اربعہ عناصر کی مختلف صورتوں اور جمادات، حیوانات، نباتات کی مختلف کیفیتوں کی پرستش ہوتی تھی یعنی پروہت یہ بتاتے تھے کہ ان کو خوش کر کے کس طرح اپنی مرادیں اور خواہشیں پوری کر سکتے ہو۔ بعض قوموں میں خود پروہت الٰہ یا دیوتا بن گئے تھے۔ ایک عام دیوتا شیطان یا نفس امارہ بھی تھا۔ یا بالفاظ دیگر انسانی خواہش کی پوجا عام تھی۔ اس کی پرستش آج کل بھی زوروں پر ہے قرآن نے اسی کو کہا ہے کہ لوگوں نے اپنے خواہشِ نفسانی کو معبود (الٰہ) بنالیا ہے اور وہ جو کہتا ہے اُسی پر بے چون و چرا غلاموں کی طرح عمل کرتے ہیں (من اتخذ الٰھہ ھواہ)

ال اله ہندوؤں، یہودیوں اور عربوں میں ایک سب سے بڑے دیوتا (ال اللہ) کا تصور بھی پیدا ہو گیا تھا جسے وہ دیوتاؤں کا بادشاہ یا شہنشاہِ خدایان سمجھتے تھے یہ اللہ تھا۔ اسی کے ساتھ ساتھ یہ تصور بھی موجود تھا کہ وہ کل کائنات کا الٰہ (معبود) ہو یا نہ ہو لیکن وہ ہماری قوم کا مخصوص الٰہ ضرور ہے اور دوسری قوموں کے الاہوں یا دیوتاؤں سے زیادہ طاقتور ہے۔

قرآن نے اس تصور کو مٹادیا اور بتایا کہ ال الٰہ کے سوا اور کوئی الاہ نہیں ہے۔ وہ سب قوموں کا الاہ ہے۔ وہ مادی شکل نہیں رکھتا۔ نہ بار بار مر کے زندہ ہوتا ہے (جیسا کہ مصریوں کا تصور تھا) بلکہ وہ حی و قیوم ہے

الذین یحملون العرش ومن حولہٗ یسبحون بحمد ربھم ٥ (المومن)
یعنی فرشتے بھی حمد کرتے ہیں۔

(۵) وقالوا الحمد للہ الذی صدقنا وعدہٗ و اورثنا الارض (الزمر)
وتری الملائکۃ یسبحون بحمد ربھم ...... وقیل الحمد للہ
رب العالمین (آخر آیت الزمر)

(۶) فللہ الحمد رب السماوات ورب الارض رب العالمین (الجاثیہ)

(۷) یسبح للہ ما فی السماوات وما فی الارض لہ الملک ولہ الحمد۔
یعنی بادشاہت اور حمد صرف اسی کے لئے ہے (التغابن)

حمد کا طریقہ مندرجہ بالا آیتوں سے ظاہر ہے کہ نہ صرف انسان بلکہ فرشتے بھی خدا کی شکر گذاری یعنی اس کے احسانات کے اعتراف کے لئے مکلف ہیں لیکن انسان وجن کے لئے رب کے احسانات کا اعتراف اسی طرح ہو سکتا ہے کہ اسی کو آقا مان کر اس کے ہر حکم کی تعمیل خود اپنے بھلے کے لئے کی جائے اور مخلص ہو کر کی جائے۔ یعنی سوائے اللہ کے غیر اللہ کی مدد کا تصور بھی دل میں نہ لایا جائے۔ پھر اس زندہ خدا کی مدد کا استقامت سے یقین بھی رکھے۔ معمولی مشکلات سے گھبرا کر تشکیک میں نہ پڑے۔ اسی لئے فرمایا: ان الذین قالوا ربنا اللہ (یعنی سوائے اللہ کے کسی کا حکم نہ مانے) ثم استقاموا (پھر اس عزم پر ثبات اختیار کرے تو) فلا خوف علیھم ولا ھم یحزنون ٥۔

اسی طرح اکثر جگہ خدا سے مدد مانگنے کا یہی طریقہ بتایا کہ اس کے حکموں پر خوش دل غلاموں کی طرح چلو اور صبر و صلوٰۃ کے ساتھ اس کی نصرت کا یقین رکھو۔ ظاہر ہے کہ اس طرح عزم و ثبات سے حمد کرنے والوں

رب: پس منظر ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ دنیا میں ہر طرح کی ذہنی و جسمانی غلامی پھیلی ہوئی تھی اور آزاد بھی اپنے ہوائے نفس یا پروہت و ساحر کے فریبوں کا شکار تھے۔ فرعون بھی رب بنا ہوا تھا۔ مذہبی پروہت اور حبر بھی ربی کہلاتے تھے اور ہر ایک غلام ساز رب کہلاتا تھا۔

رب اور عبد آقا، خواجہ، مالک، صاحب وغیرہ کے لئے عربی میں رَب کا لفظ رائج تھا۔ اس کے مقابلے میں مملوک یا عبد کا لفظ غلام یا بندہ یا داس کے لئے استعمال ہوتا تھا۔ اسی لئے سورۂ الحمد میں رب (یعنی آقا) کی مناسبت سے نَعْبُدُ (یعنی غلامی) کی طرف اشارہ ہے۔ اللہ اللہ کیا حسنِ بیان ہے۔

رب یا آقا دو قسم کے ہوتے تھے یعنی ظالم اور کم ظالم۔ کوئی آقا جب تک وہ اپنے غلام سے خواجگی کا تعلق رکھتا ہو کسی صورت سے کریم و رحیم نہیں کہا جا سکتا۔ لہٰذا اگر آپ کسی غلام سے پوچھیں کہ تمہارا آقا کیسا ہے تو وہ ہمیشہ یہی کہے گا کہ وہ ظالم ہے یا دوسرے کے مقابلے میں کم ظالم ہے۔ وہ کسی صورت سے یہ تسلیم نہ کرے گا کہ میرا آقا کریم ہے یا پرورش کنندہ ہے۔ وہ اگر پرورش کرتا بھی ہے تو اپنی غرض کے لئے کرتا ہے۔ لیکن خدا ایسا رب ہے جو بندے کو اسی کے نفع کے لئے دیتا ہے۔ بہر حال وہ اپنے آقا کے منہ پر جھوٹی خوشامد کے طور پر اسے اپنا پروردگار، پالنے والا، مہربان، ان داتا، سرکار، غریب پرور اور نہ جانے کیا کیا کہے گا۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ دل ہی دل میں اسے کوستا بھی جائے گا کہ یہ بدمعاش ان داتا وہی ہے جس نے کل رات کو بیداری

اور ایک ہی ہے۔ البتہ مختلف قوموں میں اس کے مختلف نام ہیں لہذا
سب سے اچھے نام کو قبول کرلو۔ نصرانی اسے رحمان کہتے ہیں۔ ایرانی
خدا کہتے ہیں۔ ہندو پرماتما کہتے ہیں۔ غرضکہ کوئی ایک نام اس کا نہیں۔

بنامے آنکہ او نامے ندارد — بہر نامے کہ خواہی سر برآرد

نام متعدد ہیں لیکن اس کی ذات ایک ہی ہے۔ اسی طرح شعوب قبائل تو
مختلف ہیں لیکن اللہ کے مخلوق اور اس کے بندے ہونے کی حیثیت سے
سب برابر ہیں۔ ایک ہی آقا کے سب غلام ہیں۔

وہ کیا ہے؟

ہر قوم خدا کا ایک تصور رکھتی تھی۔ وہ حیرت میں نہ تھی کہ
وہ کیا ہے۔ اس لئے اللہ کو ہم ولہ سے مشتق نہیں سمجھتے
قرآن صرف یہ کہتا ہے کہ ان الاہوں کو جن کے تم غلام بنے ہوئے ہو (جن
میں ہوائے نفس بھی داخل ہے) ترک کردو اور اس الہ سے مدد مانگو اور
اس کی غلامی کا اعلان کرو، جو واقعی مدد بھی دے سکتا ہے اور جس کی غلامی میں
سراسر تمہارا فائدہ ہے اس کا فائدہ نہیں ہے۔ وہ نہ نذرانے مانگتا ہے نہ گانا
سننا چاہتا ہے نہ خون سے خوش ہوتا ہے بلکہ وہ تو خود نہایت ہی کریم آقا
و خالق ہے۔ وہ کیوں اپنی مخلوق کو دکھ دینے لگا

اللہ اور ترتیب نزول

قرآن میں ابتدائی سورتوں میں صرف
"رب" کا ذکر ہے۔ اس دور کے بعد
ایک پورے دور میں الہ کا نام آتا ہے اور اسی دور میں الہ کے ساتھ ساتھ اللہ
بھی آتا ہے۔ گویا انسان کو اللہ کے ساتھ مانوس کرنے اور اس کے صحیح تصور کو قائم
کرنے کے لئے پہلے "رب" کے تصور کو اور اس کے بعد الہ (معبود) کے تصور کو
روشناس کرایا گیا ہے۔ یکایک اللہ یا رحمان کا ذکر نہیں کیا گیا۔

(۴) العالمین: پس منظر

قران کا روئے سخن انسانوں کی طرف تھا۔ یہ انسان دوسرے انسانوں کو غلام بنایا کرتے تھے۔ اس لئے بار بار یہ کہا گیا کہ اللہ ہی کل انسانوں کا آقا (رب) ہے۔ اور جو لوگ ارباب من دون اللہ (اللہ کے سوا دوسرے آقاؤں) کو اپنا رب یا آقا مانتے ہیں وہ دھوکے میں ہیں اس لئے کہ اللہ نہ صرف زمین و آسمان اور کل کائنات کا آقا ہے بلکہ ان کا بھی آقا ہے جو دوسرے لوگوں کو غلام بنائے ہوئے ہیں مثلاً امیہ بن خلف اور ابوجہل قسم کے لوگ' یا وہ پروہت و ساحر جو جنوں اور شیطانوں کو ارباب (آقا) مانتے ہیں۔ ان سب کا بھی آقا (رب الارباب) اللہ ہے۔

مقصد یہ تھا کہ لوگ مساوات انسانی کو قائم کریں اور دنیا سے بتوں کی، پروہتوں کی اور انسانوں کی خواجگی کو ہمیشہ کے لئے دفن کر دیں۔ گویا کہ جو انسان غلامی میں پھنسے ہوئے تھے ان کے لئے قرآنی تعلیم یہ تھی کہ ارباب من دون اللہ سے بغاوت کر دو اور صرف اس آقا کے غلام بن جاؤ جو عالمین کا آقا (رب) ہے۔

عالمین کے قرآنی معنی

ترتیب نزول کے مطابق قران پڑھئے تو صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ عالمین انسانوں یا لوگوں کے لئے استعمال ہوا ہے۔ یہ قران حیوانات و نباتات کی اصلاح کے لئے نہیں ہے، کہ اس میں ہیژدہ ہزار عالم شامل کر لئے جائیں مثلاً

① ان اللہ غنی عن العالمین (عنکبوت ۲۹ - آل عمران) اللہ سب لوگوں سے بے نیاز ہے

② اولیس اللہ باعلم بما فی صدور العالمین (عنکبوت) کیا اللہ نہیں جانتا

کے دوران میں مجھے ننگے پاؤں میلوں دوڑایا تھا یا میری محبوبہ کو کوڑوں سے مار مار کر گھائل کر دیا تھا یا اس کے اکلوتے بچے کو اس کی گود سے چھین کر بیچ آیا تھا۔

ان غلاموں کے دکھی دل کی پکار صرف ایک شخص نے سنی وہ رسول عربی تھے۔ انھوں نے غلاموں کے ارباب من دون اللہ سے بغاوت پر آمادہ کر دیا اور دنیا میں غلامی کے مٹانے کا سب سے پہلا قانون نافذ کیا۔ اور پہلی ہی وحی سے آخر دعوت (یعنی حجۃ الوداع تک) انسانیت کے اس ناسور کو مندمل کرنے کی دوائیں بتائیں اور سلطنت قائم کرنے کے بعد اسے مٹا کر چھوڑا۔ اسی لئے ہم سمجھتے ہیں کہ رب کے صرف وہی معنی لئے جائیں جو رسول اللہ کے مخاطب سمجھتے تھے یعنی آقا۔ نہ کہ پالنے والا یا پروردگار۔ ان ربوں میں سے کوئی پروردگار نہ تھا۔ پروردگار صرف ایک رب ہے جس نے پیدا کیا ہے۔ باقی جتنے رب تھے یا ہیں وہ سب خود غرض اور پاجی تھے اور ہیں۔

رب اور ترتیب نزول

وحی اوّل کے بعد قرآن میں پورا ایک ایک دور ہے۔ جس میں خدا کے لئے رب کے تصور سے ابتدا کی گئی ہے۔ اس کے بعد دوسرے اسماء مثل الٰہ و اللہ کے استعمال ہوئے ہیں۔ سب سے پہلے یہ تصور پہلی وحی میں ربک الذی خلق سے دیا گیا ہے (العلق) پھر آگے الاکرم کہا ہے اس کے بعد الاعلیٰ العظیم وغیرہ صفات سے موصوف کیا ہے۔

ان آیات سے روشن ہے کہ رب کے معنی آقا اور عالمین کے معنی انسان کے ہیں۔ پہلی وحی بھی یہی کہتی ہے کہ رب نے انسان کو علق سے پیدا کیا ہے وہی اصلی آقا ہے جو خالق ہے دوسرے آقا مصنوعی ہیں۔ یہیج ہیں ان سے بغاوت کرو اور ہر زمانہ میں تجدید پیمان انقلاب کرتے رہو۔

عالمین صیغہ تثنیہ اہل لغت کہتے ہیں کہ عالم اسم جمع ہے اس کا واحد نہیں ہے اور عالم کی جمع عالمون اور عوالم آتی ہے اور اس پر کسی کی توجہ نہیں گئی کہ اس کا تثنیہ بھی عالمان ہے۔ اس سلسلے میں سورۂ رحمان اور سورۂ جن دیکھئے۔

ایک مسئلہ اہل لغت و نحو کی توجہ کے لئے ایک یہ مسئلہ پیش کیا جاتا ہے کہ قرآن کی کتابت کے وقت اس کے حروف نقطوں اور اعراب سے خالی تھے۔ کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ عالمین، درحقیقت عالمی (یعنی انسان) کی جمع ہو اور عالمیین بولا جاتا ہو۔ تحریر میں عالمین لکھا گیا ہو اور جب حجاج بن یوسف کے زمانہ میں نقطے لگائے گئے تو عالمیین کا عالمین رہ گیا ہو۔

(۵) الرحمان: پس منظر لوگوں نے بہت سے قومی دیوتا یا خدا بنا لئے تھے۔ عالمگیر خدا کا تصور کہیں نہیں تھا۔ ہر قوم اپنا مخصوص خدا رکھتی تھی اور اسے دوسری قوموں کے خداؤں سے زیادہ طاقتور سمجھتی تھی۔ یہی حال یہودیوں کا تھا۔
لیکن نصرانیوں میں خصوصاً یمن و حبشہ میں ایک کل قومی معبود کا تصور موجود تھا۔ وہ اپنے خدا کو کل قوموں کا خدا مانتے تھے اور اسے رحمانان کہتے تھے۔ عربوں میں بھی ایک بڑے خدا کا تصور موجود

کو انسانوں (یا جنوں) کے دلوں میں کیا باتیں ہیں)۔

(۳) فانجیناہُ واصحاب السفینۃ وجعلناھا آیۃً للعالمین (عنکبوت)
ہم نے نوح کو اور کشتی والوں کو نجات دے کر انسانوں کے لئے نشانِ عبرت بنا دیا)

(۴) اِن ھوَ ذکرٌ للعالمین (تطفیف ۲۷) یہ عالمین (جن و انس) کے لئے نصیحت ہے)

(۵) اولم ننھک عن العالمین (۱۵-۷۰) کیا ہم نے تجھے عالمین (لوگوں) سے نہیں روکا

(۶) سلامٌ علیٰ نوحٍ فی العالمین (والصافات ۵۳) عالمین (انسانوں) میں سے نوح پر سلام ہو

(۷) فضّلنا علی العالمین (۶: ۸۶) ہم نے انسانوں (عالمین) پر فضیلت دی ا

(۸) اَتاتون الذکران من العالمین (شعرا ۱۶۴) کیا تم مردوں سے بدفعلی کرتے ہو؟

(۹) وھوَ فضّلکم علی العالمین (۷: ۱۴۹) اس نے تمھیں انسانوں پر فضیلت دی

(۱۰) وما اللہ یریدُ ظلماً للعالمین (آل عمران ۱۰۸) اللہ انسانوں پر ظلم نہیں کرنا چاہتا

(۱۱) انّ فی ذالک لآیاتٍ للعالمین (روم) اس میں عالمین (جن و انس) کے لئے نصیحت ہے

(۱۲) واٰتاکُم ما لم یوتِ احداً من العالمین (مائدہ) کسی کو انسانوں یا جنات میں سے

(۱۳) فانی اُعذّبہ عذاباً لا اعذّبہ احداً من العالمین (مائدہ)
میں ایسا عذاب دوں گا کہ کسی شخص کو عالمین میں سے نہیں دیا گیا

(۱۴) جب حضرات ہارون و موسیٰ فرعون کے پاس گئے اور کہا کہ انا رسول رب العالمین (شعراء ۱۶) تو چونکہ خود فرعون اپنے آپ کو رب الناس سمجھتا تھا اس نے پوچھا کہ رب العالمین کون ہے تو انھوں نے جواب دیا کہ زمین و آسمان کا رب ہی انسانوں کا آقا ہے جس میں تو بھی شامل ہے
قال فرعون وما ربُّ العالمین ۰ قال ربُّ السمٰوٰتِ والارضِ وما بینھما ان کنتم موقنین ـ قال ربکم وربّ اٰبائکم الاولین (الشعراء ۲۶)
(فرعون نے پوچھا کہ عالمین (جن و انس) کا آقا کون ہے۔ جواب ملا وہ رب (آقا) جو زمین و آسمان اور تمھارے اور گذشتہ انسانوں کا رب (آقا) ہے

مسلمان ان نصرانیانِ حبشہ سے دوستی کر رہے ہیں جنہوں نے عام الفیل میں کعبہ ہی ڈھا دینے کا ارادہ کر لیا تھا۔ شاید اسی وجہ سے وہ اور زیادہ رحمان کے نام سے نفرت اور اُسے عربی لفظ تسلیم کرنے سے انکار کرنے لگے۔

غزوۂ بدر میں امیہ بن خلف نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کو عبدالرحمان نہ کہا باوجودیکہ شکست کے بعد وہ موت کے منہ میں تھا اس لئے کہ وہ کہتا تھا کہ قریش رحمان کو نہیں جانتے۔ البتہ انہیں مجبوراً عبدالالٰہ کہہ کر پکارا اور جان بچانے کی کوشش کی (ابن ہشام۔ غزوۂ بدر) قریش نے صلحنامۂ حدیبیہ میں بھی الرحمان سے نفرت کا مظاہرہ کیا خود آنحضرتؐ نے الرحمان مٹا کر صرف بسمک اللھم لکھوایا۔ (ابن سعد و ابن ہشام صلح حدیبیہ)

بدر۔ احد۔ فتح مکہ اور حنین میں مسلمانوں کا جنگی نعرہ بھی یا رحمان تھا۔ گویا ایک طرف رحمان پرست تھے اور دوسری طرف شیطان پرست ایک طرف ایک عالمگیر خدا کے ماننے والے تھے خواہ اس کا مختلف قوموں میں کوئی نام ہو۔ دوسری طرف صرف تفاخر نسب کے حامی حتیٰ کہ صرف اپنے قومی خدا یا خداؤں کے پوجنے والے تھے۔ جو مساوات و توحید انسانی کے دشمن کی حیثیت سے رحمان پرستوں کو یعنی خدا کے عالمگیر تصور کو قائم کرنے والوں کو تباہ کرنے پر تلے ہوئے تھے۔

رحمان اور لغتِ عربی

کلام جاہلیہ میں رحمان کا لفظ نہیں پایا جاتا۔ لسان العرب میں صرف ایک شعر ہے جس میں رحمان کا لفظ ہے اس کے عجمہ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ خود قریش اس کو عربی ماننے سے انکار کرتے تھے حالانکہ رحیم یا کسی اور

تھا جسے وہ ال الہ (اللہ) کہتے تھے اور جب کوئی چھوٹا دیوتا یا دیوی ان کے پاس نہ ہوتا تو اس بڑے اللہ سے مدد مانگ لیتے تھے ۔ مثلاً سمندر وغیرہ میں اللہ ہی کو اپنا مددگار سمجھتے تھے ۔ مجوس میں دو خدا اول کا تصور پیدا ہوگیا تھا ۔ ایک کو خدائے خیر (اہورامزدا) اور دوسرے کو اہرمن (خدائے شر) سمجھتے تھے ۔ اور یہ سمجھتے تھے کہ اس دنیا میں خدائے شر کی سلطنت ہے ۔ عالم بالا میں ہرمز حکمراں ہے یہ دونوں کل عالمی خدا مانے جاتے تھے ۔

قران نے ایک اچھے عالمگیر خدا کا تصور پیدا کیا اور چونکہ ہجرت حبشہ سے پہلے اہل حبشہ سے دوستی مقصود تھی لہذا اس زمانے میں قران نے بکثرت رحمان کا لفظ اللہ کے لئے استعمال کیا ۔ جب پہلی دفعہ حضرت ابن مسعود سے قریش نے یہ سنا کہ " الرحمٰن علم القرآن " تو انھوں نے استہزاء شروع کردیا کہ یمامہ میں ایک شخص رحمان نامی رہتا ہے جو آنحضرت کو قران سکھاتا ہے ۔ بہرحال حضرت ابن مسعود نے قرآن بالجہر پڑھنے اور رحمان کا نام لینے پر خوب مار کھائی لیکن پڑھنے سے باز نہ آئے ۔ اس کے بعد کفار کہنے لگے کہ کیا خوب جس کسی غیر قومی دیوتا کو آپ کہیں کہ خدا مان لو ۔ کیا ہم مان لیں ! ہم نہیں جانتے کہ رحمان کون ہے (قالوا ما الرحمان) تو قران نے جواب دیا ھم یکفرون بالرحمان قل ھو ربی (الرعد) اور کہا کہ (اذا قیل لھم اسجدوا للرحمٰن قالوا ما الرحمان ؟ انسجد لما تامرنا وزادھم نفورا ۵ (الفرقان ۵) اسی زمانہ میں سورۂ مریم نازل ہوئی اور نصرانیوں نے خدا کو جو نام رحمان دے رکھا تھا اسی کو قران نے بار بار دہرایا ۔ غرضکہ قریش پر صاف ثابت ہوگیا کہ آنحضرتؐ اور

ہر قوم یا قبیلہ کا مخصوص جنگی دیوتا بھی جنگ میں شریک رکھا جاتا تھا بلکہ جو سلطنتیں یا قبیلے جنگ میں شریک ہوتی تھیں وہ یہی سمجھتی تھیں کہ شکست و فتح ان دیوتاؤں یا خداؤں کی وجہ سے ہوتی ہے۔ اگر کوئی قوم ہار جاتی تھی تو اس لئے نہیں کہ وہ کمزور ہے، بلکہ اس لئے کہ اس کا دیوتا (بعل بعیل ملک) اس قوم کی بدکرداریوں سے ناراض ہے۔ یہی تصور یہودیوں میں تھا اور ان کا مخصوص خدا یہوا دوسری قوموں کے مقابلے میں لڑا کرتا تھا لیکن جب وہ بنو اسرائیل سے خفا ہو جاتا تھا تو انہیں قتل کروا دیتا تھا غرضکہ اصلی بادشاہ، جرنیل اور قاضی خدا اور قومی دیوتاؤں کو مانا جاتا تھا۔ دنیوی بادشاہ یا قبیلہ کا چودھری قومی خدایا خداؤں کا نمائندہ سمجھا جاتا تھا۔ فرعون مصر، عزیریس کا۔ حمورابی بعل کا۔ اسرائیلی بادشاہ یہوا کا اور اسی طرح ہر ایک مذہبی یعنی پروہتی سلطنت میں بادشاہ یا رئیس کسی نہ کسی دیوتا کا مظہر یا اوتار یا نمائندہ سمجھا جاتا تھا

مَلِک اور مالک

حضرت امام مالک کی قرأت بھی مَلِک ہے مالک نہیں ہے۔ لیکن بعض مفسروں نے اس لفظ کو مالک بھی بتایا ہے۔ حالانکہ سب جانتے ہیں کہ رسم الخط کے اعتبار سے یہ مَلِک ہے اور میم پر الف کا اضافہ حجاج بن یوسف کے زمانہ میں ہوا ہے۔ یہ بھی خیال ہے کہ مَلِک کے مقابلے میں مالک کو اپنی ملکیت میں تصرف کرنے کا کلّی اختیار ہوتا ہے۔ یعنی اگر خدا کو مالک مانا جائے تو وہ اختیار رکھتا ہے کہ جسے چاہے جنت میں بھیج دے جسے چاہے جہنم میں داخل کر دے۔ لیکن اگر خدا کو ملک یا قاضی مانا جائے تو وہ کسی قانون کے ماتحت ہی فیصلہ کر سکے گا۔ گو یا خدا کو بھی کسی قانون سے مجبور اور اس کا پابند

صفتِ الٰہیہ پر کوئی اعتراض نہ کرتے تھے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ رحم سے مشتق نہیں ہے۔ عبرانی، حبشی و یمنی زبانوں میں یہ لفظ رائج تھا۔ یمن کے کتبوں سے بھی رحمانان کرستوس اور مریم کے نام ثابت ہیں۔

رحمان کیوں؟ بہر حال یہ عجمی لفظ تھا اور آنحضرت چاہتے تھے کہ جس ذات (یعنی اللہ) کے لئے رحمان یا دوسرے اسمائے مختلف قوموں میں رائج ہیں ان سب کو اہل عرب تسلیم کر لیں کہ وہ ایک عالمگیر خدا (اللہ) کے نام ہیں۔ اور وہ مان لیں کہ سب اس ایک رب کے عبد ہیں جس نے کل دنیا اور کل انسانوں کو خلق کیا ہے۔ افسوس ہے کہ اس انٹرنیشنل تصور کو زیادہ نمایاں کرنے کی جگہ لوگوں نے اس کا ترجمہ کر کے وحدت ادیانِ الٰہیہ کے شاندار تصور کو ادنیٰ درجہ دے دیا۔ اگر ترتیب نزول قرآن اور سیرت نبوی میں "رحمان" کے لفظ کی تاریخ پر نظر رکھی جاتی تو صاف ظاہر ہو جاتا کہ رحمان کیوں استعمال ہوا۔

رحمان اسم علم ہے جس طرح اسم اللہ اسم علم ہے۔ اسم صفت نہیں ہے اسی طرح رحمان بھی اسم علم ہے یعنی اللہ کا ایک نام ہے جو غیر اللہ کے لئے استعمال نہ کرنا چاہیئے۔ یہی حدیثِ نبوی بھی ہے (وللہ الاسماءُ الحسنیٰ فادعوہُ بھا وذروا الذین یلحدون فی اسمائہٖ) الاعراف)

(۶) ملِک: پس منظر دنیا میں یہ تصور عام تھا کہ بادشاہ یا قبیلے کا سردار جیسے سندھی میں چودھری کہتے ہیں وہ قوم یا قبیلہ کا نہ صرف جرنیل ہوتا تھا بلکہ لوگوں کے جھگڑے قضیئے چکانے کی آخری عدالت بھی ہوتا تھا اس لئے جنگ کی حالت میں

نا دہب کے لئے بظاہر سخت گیر معلوم ہوتی ہے لیکن حقیقت اس کے برعکس ہوتی ہے ۔ آیت ذیل پر مندرجہ بالا رحمت اور قہر الہی کی روشنی میں غور کیجئے تو ملک اور مالک کا عقدہ بالکل کھل جاتا ہے (ما یقال لک الا ما قد قیل للرسل من قبلک ان ربک لذو مغفرۃ و ذو عقاب الیم ۔ (حم السجدہ ۴۳) اور ثابت ہو جاتا ہے کہ خدا نے خود اپنے لئے جو قوانین عدل و رحمت بنائے ہیں وہ ان کا پابند ہے (ولن تجد لسنۃ اللہ تبدیلا)

یوم الدین کا مالک سے کوئی تعلق نہیں خدا کو اگر مالک مانا جائے تو وہ ہر وقت ہر جگہ مالک ہے لیکن ملوکیت یعنی قضاءت یعنی لوگوں کے اعمال کا قانونی فیصلہ کرنے اور انکو جزا و سزا دینے کے لئے خدا موجودہ زندگی میں مالک نہیں ہے ۔ البتہ یوم الدین یا یوم الفصل میں وہ ملک یا قاضی کی شان میں ہوگا ۔ اس دن اسے مالک سمجھنا اور ملک نہ سمجھنا کوئی معنی نہیں رکھتا ۔ ہاں وہ موجودہ دنیا میں قاضی یا حاکم نہیں ہے (حاکم بمعنی جج یا فیصلہ کنندہ)

قرآن سے ملک یوم الدین کا ثبوت

(۱) قل اعوذ برب الناس ، ملک الناس ، اله الناس (والناس)

(۲) ما ادرٰىك ما یوم الدین ، یوم لا تملک نفس لنفس شیئا والامر یومئذ للہ (التطفیف)

(۳) لمن الملک الیوم ـ

(۴) من بیدہ ملکوت کل شیء (مومنون)

(۵) فتعالی اللہ الملک الحق (مومنون) وھو خیر الحاکمین

ہونا پڑے گا لہٰذا یہ اس کی شان کے منافی ہے۔ یعنی مالک ہونا مختار مطلق ہونا ہے اور ملک ہونا کسی قانون کا پابند بن کر مجبور ہو جانا ہے۔ اس سلسلے میں پہلے بھی بہت سی لایعنی بحثیں قدرت الٰہیہ و امکانِ کذب وغیرہ کے متعلق ہو چکی ہیں لیکن وہ سب عدم ترتیب منزول سے قرآن پڑھنے کا نتیجہ تھیں۔ قرآن میں قانون عدلِ الٰہی پر یوم الدین کے سلسلے میں بہت کچھ کہا گیا ہے وہاں یہ بھی بتا دیا ہے کہ یوم الفصل یا یوم الدین میں عدل کیا جائے گا گویا خدا خود اپنے قانون کے مطابق فیصلہ میں عدل کو ملحوظ رکھے گا۔ یہ الفاظ دیگر وہ مطلق العنان مالکوں کی طرح فیصلہ کرنے میں ظلم کو راہ نہ دے گا وَمَا اللّٰہ ظَلَّامٍ لِلعَبِید کے یہی معنی ہیں کہ خدا ہرگز کسی نیکوکار کو جہنم نہ بھیجے گا۔ لیکن چونکہ انسان ضعیف پیدا کیا گیا ہے اس لئے اس کی کمزوریوں کو درگذر بھی کرے گا یہ معافی بھی ایک قانون رحمت کے ماتحت ہوگی، اس لئے کہ خدا نے اپنے اوپر رحم کرنے کا قانون نافذ کر لیا ہے "کتب علیٰ نفسہ الرحمۃ" سے گنہگاروں کے لئے ایک قانونی امید مغفرت پیدا کر دی گئی اور اس کی کمزوریوں پر بندہ نوازی کی نظر ڈالی گئی ہے۔ بہرحال اگر خدا بحیثیت قاضی کے مجبور بھی ہے تو اپنے بنائے ہوئے قانون سے مجبور ہے لیکن یہ ممکن نہیں کہ وہ مالک بن کر مطلق العنان ہو جائے یعنی قانون رحمت و عدالت کو چھوڑ کر نیکوکاروں کو جہنم واصل کرنے لگے۔ جو لوگ یہ تفسیر کرتے ہیں وہ ملِک کو پہلے مالک بناتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ مالک کا درجہ ملک سے اونچا ہے اور مالک ہونے کے بعد عدل و ظلم کی قدریں ختم ہو جاتی ہیں، ہمارے خیال میں قرآن نے خدا کو کہیں بھی ظالم ثابت کرنے کی کوشش نہیں کی۔ خدا کی قہرمانی بھی اپنے نافرمان بندوں کے لئے محبت کے پہلو سے خالی نہیں۔ ایک شفیق ماں اپنے بچے کی

(۷) یوم الدین : پس منظر مختلف اقوام میں موجودہ زندگی ہی کو آخری زندگی سمجھا جاتا تھا۔ یعنی جس طرح دوسرے حیوانات پیدا ہوتے ہیں اور مرجاتے ہیں اور خاک میں مل جاتے ہیں اسی طرح انسان کو بھی ایک فنا ہو جانے والا وجود سمجھتے تھے یعنی موت کے بعد انسان کا خاتمہ ہو جاتا تھا

موت اور نفس بہت سی قوموں میں یہ تصور تھا کہ موت کے بعد انسان کا نفس کسی جانور یا درخت میں سما جاتا ہے اور باقی رہتا ہے۔ مصریوں کا یہ عقیدہ تھا کہ نفس سورج کے مختلف برجوں سے گزر کر آرام و سکون تک پہنچتا ہے لیکن باوجودیکہ بنو اسرائیل مصر میں عرصہ دراز تک غلام رہے لیکن مصنفینِ توراۃ نے مرنے کے بعد کی زندگی کا توراۃ میں ذکر تک نہیں کیا اور بقائے نفس کا کوئی تصور نہیں دیا۔ بعد میں دو فرقے صدوقی و فریسی اس پر جھگڑتے رہے کہ مرنے کے بعد نفس باقی رہتا ہے یا نہیں۔

نوٹ: قرآن میں نفس بمعنی روح استعمال نہیں ہوا۔ اگرچہ اردو میں جان یا رواں کے لئے روح کا لفظ چل گیا ہے۔ ہم نفس کے لئے فارسی لفظ "رواں" اور روحانیت کے لئے روانیت کا لفظ استعمال کریں گے تا کہ قرآنی اصطلاح سے قریب تر رہیں)

مشرکین مکہ اور مادیت افسوس ہے کہ ہمارے پاس مکمل کلام جاہلیت موجود نہیں ورنہ قرآن میں قریش کی مادہ پرستی کے جو اشارے ہیں اُن پر کافی روشنی پڑ سکتی۔ آنحضرت کی پوری مکی زندگی اُن کو یہ سمجھاتے گزر گئی کہ مادہ اپنے وجود کے لئے

(۶) الملِک = الحاکم = الفاصل : وھُوَخیر الفاصلین ہ
وھو احکم الحاکمین۔

(۷) لم یکن لہ شریک فی الملک (بنی اسرائیل)

(۸) للہ ملک السّماوات والارض وما فیھن وھو علیٰ کُلِّ
شیءٍ قدیر (المائدہ)

وُلہ الملک یوم ینفخ فی الصور (الانعام) یعنی جس دن قیامت
ہوگی اسی دن وہ قاضی ہوگا (آج انسان کو اختیار دے رکھا ہے لہٰذا
آج قاضی یا ملک نہیں ہے۔

شاہانہ طرزِ خطاب

قرآن میں جہاں کہیں زور پیدا کرنے یا شاہانہ شان و شوکت سے الدستے لوگوں کو مخاطب کیا ہے، وہاں بھی دینوی بادشاہوں کے طرزِ فرمانروائی کے مطابق اپنے لئے جمع کا صیغہ استعمال کیا ہے۔

(۱) انّا انزلناہُ فی لیلۃِ القدرِ ہ

(۲) اِنّا نحنُ نزّلنا الذکر وانّا لہٗ لحافظون ہ

(۳) انّا اعطیناک الکوثرِ ہ

اس سے بھی ثابت ہے کہ خدا کی حیثیت ملک یا شہنشاہ کی ہے نہ کہ صرف مالک کی، جو ملک کے مقابلے میں بہت ہی ادنیٰ رتبہ رکھتا ہے۔ اس لئے کہ ایک ملک کے ماتحت لاکھوں مالک ہوتے ہیں وہ شہنشاہ ہے لیکن آج وہ فیصلہ یا حکم نہیں کرتا۔ اس کا آخری فیصلہ قیامت پر ملتوی ہے آج ظالموں کو ظلم اور قاسطوں کو قسط کا اختیار حاصل ہے اگرچہ وہ ظالموں کے لئے چاہے تو آج بھی عذاب نازل کردے اور سب کو جہنم واصل کردے

قرآن اور یوم الدین

قرآن نے یوم الدین کا تصور اس لئے دیا کہ لوگ ظلم سے باز آجائیں اور عاد و ثمود و نوح و موسیٰ کے زمانہ کے قصوں سے بتایا کہ ظلم سے عدم مساوات انسانی پیدا ہوتی ہے اور رفتہ رفتہ خود ظالم بھی جہل و عدوان کی وجہ سے بدعمل ہو جاتا ہے اور قوم ذلت (غلامی) میں پھنس جاتی ہے۔ عزت (آزادی و مساوات) حاصل کرنا چاہو تو "ارباب من دون اللہ" کو چھوڑ کر ایک ربّ اکرم پر بھروسہ کرو۔ پھر سب خوف و حزن دور ہو جائے گا اور اس تجارت کی کساد بازاری نہ ہوگی جو تم محض بت پرستی اور غلامی کے بھروسے پر چلا رہے ہو لیکن اگر اس انذار سے نہ مانے تو یقیناً اس دنیا میں ذلیل (یعنی مملوک) اور دوسری دنیا میں جہنمی بنو گے۔

یوم الدین کا تصور عزت و ترقی کا راستہ ہے

وللاٰخرۃ خیرٌ لک

من الاولیٰ سے یہ بات شروع ہوئی کہ یہ ہرگز نہ سمجھو کہ غیر اللہ کی عبادت اور ظلم کے ذریعے سے فوز کبیر حاصل ہوگا۔ تاریخ عالم پر نظر ڈالو۔ ہر عمل کا بدلہ ناگزیر ہے۔ کیسی کیسی قومیں۔۔۔ العماد والی سوء عملی سے تباہ ہو چکی ہیں۔ خدا کی عدالت و رحمت اس کی مقتضی ہے کہ برا کام کرو تو سزا پاؤ اور نیک عملی کرو تو نعیم حاصل کرو۔ یوم الدین کے تصور نے نہ صرف موت کا خوف مومنوں کے دل سے نکال دیا بلکہ آئندہ زندگی کی راحتوں اور نعمتوں کا بھی یقین پیدا کر دیا۔ البتہ ظالم و طاغی یہ نہیں چاہتے کہ پھر پیدا ہوں اور سزا پائیں۔ مومنوں کے لئے یہ تصور عزت و ترقی کا نشان دیتا تھا اور منکروں کے لئے خوف و ذلت کا دروازہ کھولتا ہے۔

نفس کا محتاج ہے۔ ایک نفس اعظم ہے جو سب کا خالق ہے ۔ مرنے کے بعد یہ نہ سمجھو کہ نفس (رواں) باقی نہ رہے گا۔ وہ خالق جس نے نشاۃِ اولیٰ دی ہے وہی نشاۃ ثانیہ بھی دے گا اور پچھلی زندگی کا حشر و قیامت کے بعد جواب طلب کرے گا۔ وہ پوچھے گا کہ غلاموں اور عورتوں پر کیوں ظلم کرتے تھے۔ لڑکیوں کو کیوں قتل کرتے تھے اور لوگوں کو بت پرستی اور نفس پرستی کی تعلیم دے کر کیوں اجرت لیتے تھے ۔ مشرکین نہایت پکے ملحد تھے ۔کوئی بوسیدہ ہڈی دکھا کے کہتا تھا کہ کیا خوب تمہارا خدا اسے دوبارہ زندہ کر سکتا ہے تو کیا اس میں یہ طاقت نہیں ہے کہ ہم پر (جو اس کے دشمن ہیں) آسمان گرا دے ۔ اگر یہ نہیں کر سکتا تو تمہارا گھر بھی سونے سے بھرے

شیطان اور قریش

البتہ ہم شیطان، جن، غول، عفریت وغیرہ کے قصے بیان کرتے ہیں یا یوں سمجھئے کہ کہانت و سحر کو پیشہ بنائے ہوئے ہیں اور لوگوں کی مرادیں دیوی دیوتاؤں اور شیطانوں کے ذریعے سے پوری کر لیتے ہیں۔ اگر ہم ایسے خدا کو مان لیں جو ہر جگہ موجود ہے تو ہمارا کاروبار بند ہو جائے ۔ہم جانتے ہیں کہ لوگ ایک بڑی روح کو مانتے ہیں جسے اللہ کہتے ہیں۔ لیکن اگر شیطان سے اس کا رشتہ نہ جوڑیں تو بت پرستی کا خاتمہ کر کے ہم اپنی معاش ہی کو ختم کر دیں گے ۔ورنہ کہاں کا اللہ اور کہاں کا شیطان ۔ہمیں دہر پیدا کرتا ہے اور مار ڈالتا ہے

دین قدیم سامی لفظ ہے ۔اس کے بنیادی معنی "قانون" کے ہیں۔ بابلی قانون حمورابی کا نام بھی دینا لی سترغم ہے۔ اوستا میں اسے دینا کہتے ہیں۔ سنسکرت میں دھرم اور پالی میں دھما ۔اسی کو قرآن نے دین قیم یا صراط مستقیم بتایا ہے ۔یعنی قانونِ حیات (مذہب) اور قانونِ مجازات (جزا) دونوں ایک ہی ہیں۔

کے لئے تیار نہ کرنا خاطر خواہ نتیجہ پیدا نہیں کر سکتا۔ اس نکتہ کے پیش نظر کہ جملہ اہل اللہ یعنی وہ سب جو اللہ کو رب مانتے ہیں یعنی وہ جو (یؤمنونَ بما اُنزِلَ اِلیکَ وما اُنزِلَ من قبلِکَ) پر عمل کرتے ہیں سب مل جائیں۔ اور دنیا میں بندگان ربّ العالمین کی آمریت قائم کرنے کے لئے ایک زندہ سوسائٹی کی تعمیر کریں جس میں ظلم و طغیان ناممکن ہو جائے یعنی مومن قانت بن کر خوش دلی سے اپنے آقا کی غلامی کرنا چاہئیے اور مختار ہوتے ہوئے مجبور بن جانا چاہئیے۔ راہ سلوک میں اسی کو فنا فی اللہ ہونا کہتے ہیں۔ یہی معراج روحانیت ہے ورنہ مادّی بندگی اور غلامی پر جیسا کہ ہم نے اوپر کہا ہے فرعون و نمرود جیسے سرکش بھی مجبور ہیں اور رعد و آ ہمال میں بے جان چیزیں تک سجدہ خالق کے لئے یعنی قانونِ قدرت پر چلنے پر مجبور ہیں۔

اِیّاکَ نستعین غیر اللہ سے مدد مانگنا عزت و شرف انسانی کے خلاف ہے۔ اور اگر ان سے مانگو بھی تو انھیں دینے کا کیا اختیار ہے۔ اسی لئے کہا گیا کہ ہم سب صرف اللہ سے یہ مدد مانگتے ہیں کہ ہم ایک ایسی کتابی جماعت قائم کر سکیں جس میں سب مجبوراً (غلاموں کی طرح) نیک عمل بن جائیں۔ انسانیت کے اس بلند تصور کی روحانیت کو قائم کرنے کے لئے صبر و صلوٰۃ کے ذریعے سے استعانت طلب کرنا خدا سے مدد مانگنے کا بہترین طریقہ ہے (استعینوا بالصبرِ والصّلوٰۃ ان اللہ مع الصابرین) اس لئے کہ اس طریقے میں اللہ مدد دیتا ہے۔ شیطان قریب نہیں آ سکتا۔

اِھدِنا سب انسانوں کو خواہ وہ مومن ہوں یا نہ ہوں ضلالت سے نکال دے۔ صراطِ مستقیم پر ڈال دے۔

ایاکَ نعبُدُ عبد غلام یا بندے کو کہتے ہیں۔ اس کا تعلق رب یا آقا سے ہے جس کا پہلی آیت میں ذکر ہوا ہے۔ اگر اس سے ہم عبادت مراد لیں تو رب کی نسبت سے عبودیت کے جو زوردار معنی پیدا ہوئے ہیں وہ باقی نہیں رہتے۔ یہاں مراد ہے کہ اصل آقا تو تو ہی ہے۔ سوائے تیرے کسی نمرود و فرعون کی بندگی میں کوئی بھلا نہیں ہے۔ حتیٰ کہ فراعنہ بھی تیرے قوانین کے سامنے مجبور ہیں۔

عبد کی ایک صفت یہ ہوتی ہے کہ وہ بے چون و چرا اپنے آقا کے حکم کو مانتا ہے۔ رات ہو یا دن، جاڑا ہو یا گرمی اُس کی جان جائے یا رہے وہ اپنے آقا کا حکم مجبوراً بجا لاتا ہے۔ لیکن اگر آقا "ربِ کریم" ہو تو اس کے احکام بجالانے میں خود عبد کا فائدہ ہے اس لئے نعبُدُ سے بجائے عبادت (پرستش و پوجا) کے عبودیت (غلامی۔ بندگی) مراد ہے۔ اس عبودیت میں عبد ہی کا فائدہ ہے۔

جبر و اختیار یہاں مسئلہ جبر و اختیار بھی حل ہو جاتا ہے۔ عبادت کرنے میں اختیار پایا جاتا ہے لیکن عبودیت میں جبر ہے۔ ظاہر ہے کہ رب کے احکام ماننے میں اختیار کو دخل ہو تو پھر بہت سے کام ادا ہونے رہ جائیں۔ لیکن اگر ایسا جبر ہو جس میں بندے کو اختیار ہو کہ اپنے بھلے کے لئے کام کرے یا نہ کرے تو وہ جبر بھی اختیار ہو جاتا ہے ؏ کہ مزدور خوش دل کند کار بیش۔

پھر اس نعبُدُ میں جمع کے صیغے سے یہ بھی ظاہر ہے کہ اس دنیا میں رب الارباب کی بندگی کا انتظام قائم کرنے کے لئے جماعت کی ضرورت ہے صرف ایک شخص کا اعترافِ عبودیت کرنا اور جماعتِ انسانی اُس کی بندگی

جو لوگ سرسبز و شاداب ملکوں کے رہنے والے ہیں وہ اس کا اندازہ ہی نہیں کر سکتے کہ عرب کے بیابان میں راستہ بھولنا کتنی خوفناک موت کا پیش خیمہ ہوتا ہے۔

اسی لئے قرآن نے مذہب کے لئے وہ لفظ استعمال کیا ہے جس میں عربوں کے لئے، اور سمجھنے کی کوشش کریں تو غیر ملکوں کے لئے بھی، وہ بلاغت کوٹ کوٹ کر بھری ہے جو کسی اور لفظ سے پیدا ہی نہیں ہو سکتی قرآن نے مذہب کو دین قویم۔ دین القیم۔ صراط مستقیم، دیناً قیماً (ملت ابراہیم حنیف) کے لفظوں سے تعبیر کیا ہے۔ یعنی یہ ایسا راستہ ہے جو ریگستان زندگی کے خارزار سے انسان کو باوجود برہنہ پائی کے آرام و راحت کے ساتھ منزل تک پہنچا دیتا ہے اور باوجود زاد راہ نہ ہونے کے ہر منزل پر چشمۂ آب حیات موجود رکھتا ہے کہ تشنہ لبی کی خوفناک موت سے سابقہ نہ پڑ جائے

صراط مستقیم دین اسلام یا اطاعت الٰہی کو کہتے ہیں

قرآن نے یہ بھی بتایا ہے

اسلام یعنی طاعت الٰہی (نہ کہ طاعت نفس و طاغوت) ہی صراط مستقیم ہے۔ ان اللہ ربّی و ربکم، فاعبدوہُ' ھٰذا صراط مستقیم'

نوٹ۔ یہاں بھی نوٹ کر لیجئے کہ فاعبدوہُ میں رب الناس کی بے چون و چرا اطاعت یعنی عبودیت و غلامی ہی کے لئے کہا گیا ہے۔ عبادت یا پرستش کے ترجمے سے اس لفظ کا اصلی مفہوم ہی غائب ہو جاتا ہے۔

صراط: پس منظر

عرب جاہلیہ کے لوگ تاجر تھے۔ وہ ایرانی اور رومی تجارتی و فوجی شاہراہوں سے واقف تھے۔ لہٰذا وہ صراط کے پورے مفہوم کو سمجھتے تھے۔ اہل لغت

الصراط المستقیم: پس منظر

جو قومیں صرف زراعتی اور خانہ نشینی کی زندگی اختیار کر لیتی تھیں ان میں ذہنی و دماغی دونوں قسم کی کمزوریاں پیدا ہو جاتی تھیں اور چرواہوں کی صحرانورد قومیں ان پر حملے کرتی رہتی تھیں۔ قدیم زمانہ کی جنگی تاریخ اس پر شاہد ہے۔ مصر پر شامی چرواہوں کا حملہ، ہند میں سنٹرل ایشیا کے آریوں کا مسلسل فوجی داخلہ، سمیریہ اور بابل کی بار بار آویزش سب اسی جذبہ کے ماتحت عمل میں آتی رہیں کہ ساکن کاشتکاروں کو متحرک صحرانورد و خانہ بدوش لوٹتے رہے۔ امن کے زمانہ میں بھی لٹیرے اُن کے مال تجارت کو اپنی فوج کے بل بوتے پر ایک ملک سے دوسرے ملک کو پہنچاتے تھے۔ اس طرح قومی تاجروں کے ذریعہ قطاع الطرق کا خطرہ کم ہو جاتا تھا اور فوجی سلطنت کا اولین فرض ہوتا تھا کہ راستے محفوظ ہوں سلطنت میں امن ہو تاکہ تجارت چلے اور طاقتور قوموں کے باشندے کمزوروں کی محنت کو لوٹ لوٹ کر اپنی دوزخ بھریں۔

آج بھی یہی ہو رہا ہے

عرب اور اکثر قومیں، خصوصاً فونیقی، ہندی اور مصری قدیم زمانے کی تجارتی قومیں تھیں۔ تجارت خشکی و تری دونوں راستوں سے ہوتی تھی۔ عرب کے لئے بے آب و گیاہ ریگستان میں سفر کرنا واقعی نمونۂ سقر تھا۔ اور ان کے لئے راستہ بھول جانا گویا جیتے جی موت کے منہ میں چلا جانا تھا۔

منزل مقصود یعنی سفر سے نجات اور راحت و نعیم میں داخلے کا ذریعہ صرف راستہ ہوتا تھا۔ وہ راستہ ٹیڑھا ہو یا سیدھا مقصد تو یہ تھا کہ کسی طرح اس سے مسافر نہ بھٹکے۔ بھٹکا اور یقینی موت کے منہ میں گیا۔

استعمال ہوا ہے وہ بھی اکثر عمومیت رکھتا ہے۔

بہر حال الذین کے سلسلہ میں مختلف قوموں کی بہت بڑی اکثریت کے متعلق تاریخی طور پر دیکھنا ہوگا کہ (۱) وہ کون سی قومیں گزر چکی ہیں جن پر اللہ کا فضل و انعام ہوا ہے۔ یعنی ان میں ہادی و مرسل آئے اور وہ قومیں خدا پرست و نیک عمل (کتابی) بن کر یقین و ایمان کی دولت سے سرفراز ہوئیں

(۲) پھر اُن قوموں کی تاریخ کا مطالعہ کرنا ہوگا جو ہدایت پانے کے بعد ظلم و طغیان میں گرفتار ہو کر غضب الٰہی میں مبتلا ہو گئیں یعنی خدا پرستی کو چھوڑ کر طاغوت پرست اور بدعمل بن گئیں اور آخر کار ذلت غلامی اور پستی و مسکنت میں پھنس کر یا تو تباہ ہو گئیں یا اب بھی نکبت و افلاس کی زندگی بسر کر رہی ہیں

(۳) تیسرے قسم کی وہ قومیں ہیں جنھیں کتابی زندگی بسر کرنے کا کوئی طریقہ اب تک معلوم نہیں ہوا اور وہ امیت کی وجہ سے تذبذب اور شک میں گرفتار ہیں اور یقین کی دولت نہ ملنے کی وجہ سے قطعی بے عمل ہیں۔ یہ مغضوب نہیں بلکہ ضالین میں سے ہیں اور دوراہے پر کھڑی ہوئی غور کر رہی ہیں کہ کس راستے پر چلیں۔

غرضکہ تاریخ کا مطالعہ کرنے کے بعد ہی یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ قرآن کا مقصد وحدت ادیان حقہ کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ ہماری پوری سعی یہ ہونا چاہیئے کہ ہم کتابی، مغضوب اور امی اقوام کی تاریخ میں اُن اسباب و علل پر غور کریں جن کی وجہ سے قومیں عروج و زوال کے نشیب و فراز سے گذرتی ہیں۔ اگر یہ نہ معلوم ہو سکے کہ ان قوموں کے ہادی کون کون تھے تو کم از کم یہی معلوم ہو سکتا ہے کہ اگر کوئی قوم عروج پر پہنچی تھی تو کس تعلیم و عمل نے اس کو عروج پر پہنچایا تھا اور مغضوب

نے صراط کا عربی ترجمہ سبیل یا طریق دیا ہے جس کا فارسی ترجمہ راہ یا اردو رستہ کیا جاتا ہے۔ یہ لفظ مدینہ میں زیادہ رائج تھا اس لئے بھی اس آیت کو مدنی کہا جاسکتا ہے۔

صراط رومی لفظ STRATA صطراطا ہے۔ اس کا ترجمہ شاہ راہ ہوسکتا ہے۔ رومی سلطنت نے سڑکوں کی فوجی اور تجارتی اہمیت کو ایرانیوں کی طرح سمجھ لیا تھا اور اس مقصد کے لئے انھوں نے ایک محکمہ قائم کرکے ایک مخصوص گورنر کے ماتحت کردیا تھا۔

یہ صراطیں رومہ سے ہر مفتوحہ ملک کو جاتی تھیں اور یہ محاورہ بن گیا تھا کہ ہر سڑک رومہ کو جاتی ہے۔ ان سڑکوں کی خصوصیت یہ تھی کہ وہ نہایت پختہ ہوتی تھیں، مستقیم یعنی سیدھی ہوتی تھیں ان میں کجی نہیں ہوتی تھی۔ ان کے دونوں طرف پختہ دیواریں ہوتی تھیں اور فوجی حفاظت میں مسافر و تاجر آنکھ بند کرکے جہاں چاہے جاسکتا تھا۔ راستے میں چھوٹی چھوٹی آبادیاں پیدا ہوگئی تھیں جہاں ہر قسم کی آسائش کا سامان اور سواری اور مزدوروں کی آسانیاں تھیں۔ مسافر یا تاجر کا اس شاہراہ پر بڑھ جانا اس کی کامرانی کے لئے کافی تھا۔ مختصر یہ کہ صراط کے معنی ہیں شاہراہ ایسی شاہراہ جس پر بڑھ جانا ہی منزلِ مقصود تک پہنچ جانا ہے

رہرواں راخستگی راہ نیست
عشق ہم راہ است و خود ہم منزل است

اَلَّذِیْن قرآن کا روئے سخن عام انسانیت کی طرف ہے۔ انسانیت میں افراد و اقوام (شعوب قبائل) سب داخل ہیں جہاں کہیں درستگی اخلاق اور اصلاح اعمال کے سلسلے میں واحد کا صیغہ

اور پورا تالاب نجس رہے ۔

لہٰذا " اَلَّذِیْنَ " سے پوری قوم کی قوم مراد ہے اور مومن کو حکم دیا جاتا ہے کہ جن پرانی یا موجودہ قوموں کو تم خدا پرستی اور ترقی کے راستے پر دیکھو ان کی پیروی کرو اور ان کے مصلحوں اور ہادیوں کی باتوں پر عمل کر کے دین و دنیا میں سرخرو ہو

انعام : پس منظر

کسی آقا کا سب سے بڑا انعام جو اپنے عبد پر ہو سکتا ہے وہ یہ ہے کہ اسے آزاد کر دے تاکہ وہ اللہ کے عطا کئے ہوئے انعامات یعنی عقل و شعور و قوائے جسمانی کا پورا پورا اور صحیح استعمال آزادی کے ساتھ کر سکے ۔ اس کا عمل اپنے آقا کے بھلے کے لئے نہ ہو بلکہ خود اپنے لئے یا اپنی نوع کے لئے ہو ۔

الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ میں ان عالمین یا قوموں کا ذکر ہے جو خدا کے فضل و کرم سے حریت و آزادی سے بہرہ ور تھیں یعنی سیاسی طور پر کسی دوسری قوم کی غلام نہ تھیں اور اندرونی طور پر ان کی عقلوں پر کسی حبر یا پروہت و ساحر چھائے ہوئے نہ تھے اور نہ ایک مطلق العنان بادشاہ (مثل فرعون وغیرہ) کی ظالمانہ ربوبیت کے شکار تھے مختصر یہ کہ ان کے قوائے عقلی و جسمی صرف رب العالمین کی عبودیت کے لئے اور نوعِ انسانی کی فلاح میں مصروف تھے ۔ انھیں نہ تو بادشاہوں نے رب بن کر ضلالت میں ڈالا تھا ۔ نہ پروہتوں نے صراطِ مستقیم (اطاعتِ الٰہی) سے ہٹا کر اپنی اطاعت میں لگایا تھا ۔

یہ کون سی قومیں تھیں ؟ کیا مصری غلامی کی حالت میں بنو اسرائیل ایسی قوم تھی ۔ یا فرعون اور اس کے پروہتوں کے سحر میں پھنسی ہوئی خود

ہوئی تو اس کے کیا وجوہ تھے۔

روانیت (روحانیت) اور علم

جہاں تک حقیقی اسلام کی تعلیم ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تاریخ کا ایک ہی سبق ہے کہ نفس (رواں) کو اساس و اصل مانا جائے اور ہر عمل کی جزا کا یقین واثق ہو تو ترقی ناگزیر ہے۔ اس طرح انسان کا جوشِ عمل بڑھ جاتا ہے اور خود غرضی بھی ایثار بن جاتی ہے یعنی علم راز میں نہیں رکھا جاتا اور انسانوں کی مشترک سعیِ پیہم رکاوٹوں کے پہاڑوں کو خس و خاشاک بنا دیتی ہے۔

اجارہ داری

لیکن جب کبھی ذہنی یا جسمانی اشتراک کو ختم کر دیا جاتا ہے اور علم و عمل خود غرضوں کا آلہ بن کر صرف چند افراد کی فلاح تک محدود کر دیا جاتا ہے تو وہ قوم تباہ ہو جاتی ہے۔ تاریخ کو اس سے سروکار نہیں ہوتا کہ اس قوم میں بعض افراد ظالم نہیں ہیں۔ وَاتَّقُوا فِتْنَةً لَّا تُصِيبَنَّ الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنكُمْ خَاصَّةً (الانفال) سے یہی مراد ہے کہ گیہوں کے ساتھ گھن بھی پس جاتا ہے۔ اگر کسی قوم کے مترفین یا اولی النعمہ (علم و عمل کے لیڈر) ہی اپنی قوم کے قوائے عقل و عمل کے اجارہ دار بن جائیں تو باوجودیکہ اس قوم میں چند افراد مساواتِ انسانی کے قائل بھی ہوں لیکن سب کے سب مغضوب ہیں گے تا آنکہ کتابی سلطنت ایسے قوانین نافذ نہ کرے کہ ہر شخص کی قلبِ ماہیت ہو جائے اور ضلال ناممکن ہو جائے۔

قصہ مختصر اگر کشتی طوفان میں رہ گئی تو سب مریں گے اور طوفان سے بچ نکلی تو سب بچیں گے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ تالاب کے چند قطرے تو طاہر

بعد بھی ربیوں اور حبروں کی ذہنی غلامی میں مبتلا ہونا بھی غضب الہی میں
مبتلا ہوتا تھا۔ قرآن میں ایسی ہی قوموں کو مغضوب علیہم بتایا گیا ہے۔

ضالین ضال کے ایک معنی یہ ہیں کہ کوئی شخص رستے سے بھٹک جائے۔ راستے سے بھٹکانے میں شیطنت کو بہت دخل
ہوتا ہے۔ پیروست وساحر بھی بہکانے میں بہت مدد دیتے ہیں۔ یا خود
انسان اپنی جہالت سے یہ سمجھتا ہے کہ جس راستے پر میں چل رہا ہوں وہ
غلط نہیں ہے اور ہوائے نفس کے دھوکے میں آکر صحیح راستہ چھوڑ دیتا ہے
اس قسم کی ضلالت سے بچنے کے لئے خدا سے دعا مانگی گئی ہے

خدایا تو ہمیں شیطان کے فریب سے نجات دے

دوسری قسم کی ضلالت وہ ہے جو تلاش راہ پر دلالت کرتی ہے۔
یعنی انسان نے راہ ہی نہ پائی ہو اور وہ دوراہے پر کھڑا ہو کر راہ حق کی
تلاش میں سرگرم ہو۔ اس حالت سے بھی خدا ہی نکالتا ہے۔ خود رسول اللہ
کو خدا نے تلاش و جستجوئے حق کی حالت میں پایا اور انہیں راہ یقین
یا صراط مستقیم پر ڈال دیا (وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَىٰ)

لہذا ہر مومن کی دعا ہے کہ جو لوگ غضب الہی میں پڑ گئے ہیں یا راستہ
بھول گئے ہیں یا بہکا دئے گئے ہیں یا شک سے نکل کر یقین کے راستے
پر آنا چاہتے ہیں سب کو خدا صراط مستقیم پر ڈال دے یعنی وہ اللہ کو اپنا
آقا مان لیں اور اس کے بندے (غلام) بن کر دنیا کو جنت نعیم بنا دیں
یہ روحانی جنت صرف رضائے الہی پر شاکر ہونے اور اس کی بندگی سے حاصل
ہوتی ہے۔

مصری قوم ذہنی طور پر آزاد تھی اور اس پر اللہ کے انعامات ہو رہے تھے تاریخ کا مطالعہ کیجئے تو معلوم ہو جائے گا کہ مصری غلامی سے نجات حاصل کرنے کے بعد جب اسرائیلیوں کی ایک دولتِ کتابیہ قائم ہوئی تو وہ کچھ عرصے تک اللہ کے انعام آزادی سے فیضیاب رہی۔ اسی طرح یونان و روم کی قدیم جمہوریتیں بھی ایک حد تک کتابی کہی جا سکتی ہیں۔

انعام اور قرآن قرآن میں نعیم کے مقابلہ میں جحیم۔ نعمت کے مقابلے میں غضبِ الٰہی کا لفظ اکثر سورتوں میں استعمال ہوا ہے حدیثِ قدسی و متواتر میں بھی نعمت کا لفظ حج کی دعاؤں میں شامل ہے (ان الحمد و النعمۃ لک۔ والملک لا شریک لک) اس پر غور کیجئے تو صاف ظاہر ہے کہ نعمت یعنی آزادی اور ملک یعنی سلطنت بخشنے والا اللہ ہی ہے اور بغیر اس سیاسی تصور کے سورۃ الحمد کے الفاظ النعمت اور مٰلک یوم الدین کا سمجھنا دشوار ہو جاتا ہے۔

غضب: پس منظر اوپر کی عبارت سے یہ ثابت ہے کہ انفرادی غضبِ الٰہی غلامی کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے خواہ وہ غلامی ذہنی ہو یا جسمانی یا دونوں ہوں۔ اجتماعی طور پر بھی وہ قوم غضبِ الٰہی میں مبتلا سمجھی جائے گی جو سیاسی طور پر کسی غیر قوم کی غلام ہو۔ یا خود اس قوم میں اربابٌ من دون اللہ نے اپنے آپ کو رب بنا لیا ہو اور لوگوں کے جسم و جان پر اپنی خدائی کا سکہ چلا رہے ہوں۔ گویا مشرک و مغلوب ہونا مغضوب ہونے کے مترادف ہے۔

غضب اور قرآن جب تک یہودی قوم مصری یا بابلی غلامی میں تھی وہ مغضوب تھی سیاسی طور پر آزاد ہونے کے

غیروں کی غلامی کرنا۔ نعمتِ ایمان کو چھوڑ کر غضب شرک میں مبتلا ہونا بدترین طریقہ سفر ہے۔ اس طرح منزل مقصود یعنی فلاح دارین تک پہنچنا ناممکن ہے۔ دنیا میں ذہنی وجسمانی غلامی کا نتیجہ سوائے ذلت و مسکنت کے کچھ نہیں اور عاقبت یا آخرۃ میں جو رسوائی ہوگی وہ ظاہر ہے۔ غرضیکہ آزاد اور مومن باللہ ہونا سب سے بڑا انعام اور بہترین دین یا صراط ہے۔ غلام یا مشرک ہونا بدترین راہ ہے جو ذلت کے غار میں ڈال دیتی ہے۔

(۳) تیسرا طریقہ یہ ہے کہ راستے یعنی دین کی تلاش ہو تاکہ منزل تک پہنچا جا سکے۔ ایسا متلاشی نہ گمراہ ہے نہ صحیح راستے پر ہے۔ مثلاً خود رسول اللہ اس دین کی تلاش میں تھے۔ جب راستہ یعنی دین ابراہیمی کی حقیقت آپ پر روشن ہو گئی تو آپ سچے اللہ کے بندے (عبدہٗ) بن گئے یعنی آپ کو ہدایت مل گئی اور آپ تذبذب (ضلال) اور تلاش راہ کی کشمکش سے نکل کر یقین یعنی خدا پرستی کی شاہراہ پر پڑ گئے (ووجدک ضالاً فھدیٰ) اس لئے ضلال کو گمراہی نہ کہنا چاہئے بلکہ تلاش حق یا جستجوئے دین کہنا چاہئے

خود فریبی کو بھی ضلال کہتے ہیں جیسا کہ حضرت یعقوب کے لڑکوں نے ان سے کہا کہ آپ اسی ضلال (دھوکے یا خود فریبی) میں ہیں کہ حضرت یوسف زندہ ہیں (دیکھئے سورۂ یوسف) انک فی ضلالک القدیم

بہر حال ضلال کی حالت، شک، دھوکے کی حالت ہے یہ حالت صحیح رستہ نہ جاننے کی یعنی جہالت و نادانی کی ہے۔ اس حالت میں عقل حیران اور ذہن وروح پریشانی میں مبتلا رہتی ہے۔ انسان راحت و تسکین سے دور ہو جاتا ہے۔ اور اگر جذبۂ تلاش کی رہنمائی خدا کر دے تو اس پر خدا کا یہ انعام ہوتا ہے کہ وہ صحیح راستہ پا جاتا ہے اور یقین تک پہنچ جاتا ہے۔

ضلال اور صراط

الحمد کی تیسری یعنی آخری آیت میں "صراط" یعنی
شاہراہ کی رعایت سے ہدایت اور ضلال کے معنی
سمجھنا چاہیئے ۔ صراط مستقیم کو دین قیم بھی کہا گیا ہے ۔ یعنی صراط اور دین
ہم معنی لفظ ہیں ۔ یہ آیت بتاتی ہے کہ "ہدایت" دین قیم پر پڑنے
کو کہتے ہیں ۔ یعنی خدا کو اپنا آقا ماننا اور غلام کی طرح اس کے حکموں
پر چلنا ۔ اصلی دین، اصلی اسلام اور سیدھی شاہراہ ہے ۔ اس غلامی
یا بندگی کے تین طریقے (راستے) ہیں ۔

(۱) ایک طریقہ تو یہ ہے کہ خدا کے رب ہونے کا یقین کامل ہو ۔
اور اس کے سوا کسی کی بندگی نہ کی جائے اور نہ کسی سے مدد مانگی جائے
یہی دین ابراہیم یا اسلام (طاعت الٰہی) ہے جس میں شرک فی العبودیت
کی گنجائش نہیں ۔ دوسرے آقاؤں سے بغاوت اور صرف ایک آقا کا غلام
ہونا ہی اسلام و عبودیت الٰہی اور خدا پرستی ہے (ایمان باللہ)

(۲) دوسرا طریقہ یہ ہے کہ اس خدا پرستی کے راستے پر چلنے والوں میں
اہل غرض ریا و جبر و پرستی پیدا ہو کر خود اپنے نفع کے لئے لوگوں کو ایسا
راستہ بتانے لگیں جو اللہ کی بندگی سے ہٹا کر اپنی بندگی کرانے لگیں یا لوگ
ہوائے نفس کو الٰہ ماننے لگیں ۔ یہ شرک فی العبودیت ہے ۔ جو لوگ
جان بوجھ کر اس شرک و خود پرستی میں مبتلا ہوئے ان کی عقلوں پر پتھر
پڑے ہوتے ہیں ۔ اُن سے بڑھ کر کون مغضوب ہو سکتا ہے ۔ یہ ترک
ہی غضب الٰہی ہے ۔ آزاد اور مومن ہونے کے بعد ارباب من دون اللہ
کا غلام اور مشرک بن جانا ہی غضب الٰہی میں مبتلا ہونا ہے ۔ یعنی اللہ کی
غلامی سے نکل کر ....

اتنہ کہ بڑا مہربان)

(۶) مَلِك ۔ بادشاہ ۔ چودھری ۔ قاضی (نہ کہ مالک)

(۷) یوم الدین قانونی فیصلے کا دن (اُس دن اللہ بحیثیت قاضی کے آخری فیصلہ کرے گا ۔ آج اللہ ملک یا قاضی نہیں ہے کل ہو گا)

(۸) نعبدُ ۔ عبد بمعنی بندہ ۔ غلام ۔ مملوک رب کی نسبت سے ہے ؟
ہم تیری غلامی خوش دلی سے کرتے ہیں ۔ ہم راضی برضائے رب ہیں
ہم ہر حکم ماننے پر تیار ہیں (نہ کہ پوجا)
عبادت یا پرستش سے عبودیت کا مفہوم ادا نہیں ہوتا ؟

(۹) نستعین ۔ ہم مدد مانگتے ہیں ۔ ہم بھروسہ رکھتے ہیں (صبر وصلوٰۃ کے ذریعے سے مدد مانگنا)

(۱۰) ھدایت ۔ راہ پر پڑنا ۔ صحیح طریق عمل ۔ سچا ایمان وایقان (اللہ اور یوم آخر کا ماننا)

(۱۱) صراط ۔ شاہراہ (نہ کہ رستہ)

(۱۲) اَلَّذِیْن : گذشتہ قومیں یعنی تاریخ اقوام کا مطالعہ ضروری ہے (دیکھئے والعصر) (نہ کہ وہ لوگ)

(۱۳) صراطِ مستقیم ۔ دین قیّم ۔ اسلام ۔ عبودیت رب ۔ خدا پرستی ایمان باللہ ۔ یقین کی شاہراہ (نہ کہ سیدھا راستہ)

(۱۴) انعام ۔ خدا پرستی یا صراطِ مستقیم ۔ یقین وایمان ۔ روحانی طمانیت ۔ معرفت الٰہی ۔ آزادی ومساوات ۔ حکومت

(۱۵) غضب ۔ غیر اللہ کی غلامی ۔ شرک (فرقہ بندی ۔ تحزب عدم مساوات انسانی ۔ غلامی ۔

سورۃ الحمد کے الفاظ کا قرآنی مفہوم

پس منظر سورۃ الحمد کی پہلی چھ آیتوں کو شعب ابی طالب تک کے قرآن کے بعد رکھئیے اور آخری یعنی تیسری آیت کو بعد ہجرت مدینہ غزوۂ بدر سے پہلے جگہ دیجئے جب کہ یہود نے سریہ عبداللہ بن جحش کے بعد تحویلِ قبلہ پر اعتراض کیا تھا اور پھر پوری سورۃ کو پس منظرِ اسلام کی روشنی میں دیکھئے۔

مختصر مفہوم الفاظ ہم اوپر لکھ چکے ہیں کہ ایک زبان سے دوسری زبان میں ترجمہ نہایت ہی مشکل کام ہے خصوصاً اس حال میں جب کہ کسی لفظ کو اُسی قدیم تصور میں ادا کرنے کی کوشش کی جائے جس میں اُس تصور کو ہزار دو ہزار سال پہلے سمجھتے تھے۔ اسی لئے ہم نے ہر لفظ کے پورے مالہٗ اور ماعلیہ کو بیان کرنے کے بعد اب ان کے مختصر مفہوم کو بیان کر دیا ہے اسے ترجمہ نہیں بلکہ ترجمہ کی کوشش کہہ سکتے ہیں۔

۱۔ حمد۔ احسانات کا عملی اعتراف۔ شکر گذاری۔ خدا کے حکموں پر چلنا خدا کی غلامی (نہ کہ زبانی تعریف)

۲۔ اللہ۔ خالقِ کائنات۔ ربِّ اکرم۔ معبود اکبر و اعلیٰ (نہ کہ اہرمن و نفس)

۳۔ رب: آقا۔ صاحب۔ مالک۔ خداوند (نہ کہ پروردگار)

۴۔ العالمین: انسان۔ لوگ۔ قومیں (قومِ انس و جن) (نہ کہ کل عالموں)

۵۔ رحمان: اللہ (نصرانی رحمانان کہتے تھے) یہ اسم علم ہے۔

مفہوم درج ذیل کرتے ہیں۔ اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ یہ مفہوم مکمل طور پر سورۃ الحمد کے مطالب کو بیان کرتا ہے۔

ترجمہ کرنا آسان نہیں ہوتا

بہتر یہ ہے کہ ترجمہ کی جگہ تفسیر کی جائے اور پھر اسی کے مختصر مفہوم کو بطور ترجمہ دے دیا جائے۔ حضرت امام الہند نے یہی طرز اختیار کیا ہے اس لئے ان کا ترجمان اداۓ مفہوم قرآنی میں اپنی بلند پایہ اور مخصوص جگہ رکھتا ہے اور چونکہ وہ ترجمہ نہیں تفسیر ہے اس لئے پوری تفسیر کو مطالعہ کرنے کی ضرورت ہے۔

ترجمہ میں تھوڑی سی تبدیلی یا محاورہ کے فہم میں ذرا سی مسامحت نسلاً بعد نسل کروڑوں انسانوں کو دھوکے میں ڈال سکتی ہے مثلاً عبرانی زبان کے لفظ ابن اللہ کا ترجمہ اللہ کا بیٹا کر کے کروڑوں عیسائی غلطی میں مبتلا ہو گئے۔ اگر وہ اس کا ترجمہ اللہ والا کر دیتے تو حضرت مسیح کو نور اور حضرت مریم کو ام النور اور خدا کو حضرت مریم کا شوہر بنانے کی سعیِ لا حاصل نہ کرتے۔ اس کے سیدھے معنی تھے اللہ والا۔ جیسے شیطان کے بچے کے معنی ہیں بد معاش۔ ہر زبان خصوصاً عربی میں اس طرح کے ہزارہا محاورے ہیں جن کا لغوی ترجمہ اصل مفہوم سے دور لے جاتا ہے۔ مثلاً بنتِ شفہ یا اُمِّ عامر، یا بنتِ عنب یا ابن الوقت وغیرہ۔ اسی طرح صحیح ترجمے کو چھوڑ کر استعارہ و تشبیہ سے مدد لینا بھی خطرناک ہے۔ جیسے رب کا ترجمہ پروردگار اور عالمین کا ہر ایک عالم کرنا اور نعبد کو عبادت کے لئے مخصوص کرنا سورۃ الحمد کے مفہوم کو الجھا دیتا ہے۔

(۱۴) ضلال ۔ بھٹکتے پھرنا ۔ بھول چوک ۔ دھوکا ۔ شک و تذبذب صحیح راستے کی تلاش ۔ ذہنی پریشانی ۔ روحانی کرب ۔ عدم علم ناوانی (نہ کہ گمراہی)

پس منظر اسلام اور ترتیب نزول قرآن کی روشنی میں

سورۃ الحمد کا قرآنی مفہوم

سورۃ الحمد کی تین آئتیں ہیں۔ اس کی پہلی دو آئتیں مکی ہیں اور آخری آیت مدنی ہے ۔ اگر اس کی پہلی آیت میں جو صفات بیان کی گئی ہیں ان کو الگ الگ ایک آیت تسلیم کر لیا جائے تو اس کے پانچ حصے بن جاتے ہیں جن میں اگر بار بار الحمد کو نہ ملایا جائے تو مکمل آیت نہیں بنتی مثلاً (۱) الحمد للّٰہ (۲) رب العالمین (۳) الرحمان (۴) الرحیم (۵) مالک یوم الدین۔ مکمل آیت جب ہی بن سکتی ہے کہ الحمد للّٰہ ۔ کے بعد یوم الدین تک ایک آیت مانی جائے ۔

اسی طرح آخری آیت اھدنا الصراط المستقیم سے الضالین تک مکمل ایک آیت ہے ۔ یہی قول جمہور علماء کا بھی ہے ۔ قرآن میں بارہا کہا جا چکا ہے کہ یہ وہی تعلیم ہے جو پہلے دی جا چکی ہے (ما یقال لک الا ما قد قیل للرسل من قبلک: ان ربک لذو مغفرۃ و ذو عقاب الیم ۰ (حم السجدہ ۴۳) اب ہم پس منظر کی روشنی میں ترتیب تنزیل کے مطابق سورۃ الحمد کا

تیسری آیت خداوندا ہمیں اپنی غلامی و شکر گذاری کی سیدھی شاہراہ (اسلام) پر ڈال دے ۔ یہ شاہراہ اُن معزز کتابیوں اور باسعادت قوموں کی ہے جن پر تو نے اپنی مادی و روحانی رحمتیں نازل کی ہیں ۔ یہ اُن کی راہ نہیں ہے جو ناشکرے ہیں اور تو اُن سے خوش ہوگیا ہے، جس کی وجہ سے وہ ذلت و مسکنت میں دن گزار رہے ہیں ۔ یہ راہ اُن لوگوں کی بھی نہیں ہے جو شاہراہ کو ڈھونڈھ رہے ہیں اور دو راہے پر شک تذبذب کے کانٹے ان کے دلوں میں چبھ رہے ہیں ۔ یعنی وہ ابھی صراطِ مستقیم یا خداشناسی تک پہنچ کر یقین کی راحت و نعیم سے فیضیاب نہیں ہوئے تا کہ یقین کی بدولت دنیا و آخرت میں سرخروئی حاصل کرتے ۔

پہلی آیت ہم دل و جان سے اس معبودِ حقیقی کے سپاس گزار ہیں یا فرماں بردار غلام ہیں جو سب انسانوں کا آقا ہے جسے یہود و نصاریٰ وغیرہ رحمان (یا رحمانان) کہتے ہیں اور جو بڑا ہی مہربان ہے۔ وہی قانونی فیصلے کے وقت بحیثیت بادشاہ (یا قاضی) کے ایسا فیصلہ کرے گا جس میں کسی کو مجال دم زدن نہ ہوگی۔ ملک (یا قاضی) کی حیثیت سے اس کا فیصلہ دو ٹوک ہوگا یعنی اس میں کسی پر ظلم نہ ہوگا، مگر اس کی رحمت اس کے عدل میں ضرور شامل ہوگی۔ شاہ کو ہی حشر میں احکم الحاکمین اور خیر الفاصلین ہوگا (اگرچہ تو نے آج ہمیں مہلت دے رکھی ہے اور شانِ حکومت و عدالت کو کل پر اٹھا رکھا ہے)۔

دوسری آیت اے خداوند! اے آقائے عالمیان ہم صرف تیرے بندے ہونے کا اعلان کرتے ہیں اور خوش دلی سے بلا جبر و اکراہ یہ عہد کرتے ہیں کہ تیرے ہر حکم کو غلام ہونے کی حیثیت سے بے چون و چرا بجا لائیں گے اس لئے کہ اس میں سراسر ہمارا ہی فائدہ ہے۔ نہ ہم کسی اور کی (غلامی) کرتے ہیں۔ نہ سوائے تیرے کسی سے مدد مانگتے ہیں۔ تیرے سوا دکھی کی پکار سننے والا کوئی نہیں۔ ہم دوسروں کی طرح آہ و زاری کر کے تجھے مدد کے لئے نہیں پکارتے بلکہ صبر و صلوٰۃ کے ذریعہ مشکلوں کا مقابلہ کرتے ہیں اور صرف تیری رحمت پر بھروسہ رکھتے ہیں اور اپنی مرضی تیری مرضی میں گم کر دیتے ہیں۔

ہوا۔ نہ ان لوگوں کی راہ پر ڈال جو ابھی تک شک میں مبتلا ہیں۔
اور خدا شناسی کے یقین تک نہیں پہنچے بلکہ دوراہے پر کھڑے ہوئے
اور حیران ہیں کہ کدھر جائیں۔ (اس لئے غلامی میں مبتلا ہیں)

ہند میں قرآن کے اردو ترجمے

قرآن کا غالباً پہلا فارسی ترجمہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے ہندوستان میں کیا۔ اس سے پہلے ۸۹۷ھ میں بعہد سلطان حسین مرزا ملا کاشفی نے ترجمہ کیا تھا۔ اُن کا ترجمہ مندرجہ ذیل ہے۔

(۱) حمد مر خدائے را کہ پروردگار جہانیاں است (۲) بخشائندہ مہربان
(۳) خداوند روز جزا (۴) ترا می پرستیم واز تو یاری می طلبیم ○
(۵) ہدایت کن مارا راہ راست (۶) راہ آنانکہ انعام کردی برایشاں
(۷) نہ غضب شدہ برآنہا و نہ گمراہان ○ (ملا حسین واعظ کاشفی ہروی)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے حمد، ہدایت، انعام اور غضب کا ترجمہ ہی نہیں کیا اور عالمین کا ترجمہ جہانیان کیا ہے جو تفسیر قرآن بالقرآن کے مطابق ہے۔

ہم ذیل میں اُن اردو ترجموں کو درج کرتے ہیں جو حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے بعد ہوئے ہیں اور جو ہمیں مل سکے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ اردو مترجمین کی اکثریت نے حضرت شاہ ولی اللہ کے فارسی ترجمہ کا ترجمہ کیا ہے۔ ان ترجموں میں وہ تفسیریں شامل نہیں ہیں جو سورۃ الحمد اور قرآن کی مختلف اہل علم نے کی ہیں۔ ہمارے لئے ان کا خلاصہ تیار کرنا مشکل تھا۔ ان کے علاوہ قرآن کریم کے بہت سے انگریزی ترجمے بھی ہندوستان میں ہوئے ہیں جن میں ڈاکٹر مرزا ابوالفضل کا

سورۃ الحمد کا مختصر مفہوم

(سات حصوں میں)

(۱) جملہ عملی سپاس گزاری سوائے اللہ (ال الہ) کے اور کسی کے لئے مناسب نہیں اس لئے کہ وہی سب لوگوں (یا قوموں) کا آقا ہے۔
(۲) جس کا (دوسری قوموں میں ایک) نام رحمان (بھی) ہے (اور وہ دوسرے آقاؤں یا دیوتاؤں کی طرح ظالم نہیں ہے بلکہ) بہت ہی رحم والا ہے۔
(۳) وہی روزِ جزا کا قاضی (یا بادشاہ) ہوگا (اور اس کے انصاف میں رحمت و عفو کا غلبہ ہوگا)

I

(۴) ہم اعلان کرتے ہیں کہ ہم صرف تیرے غلام (یا بندے) ہیں (کوئی دوسرا ہمارا آقا (یا رب) نہیں ہے) — ہم صرف تجھ سے مدد مانگتے ہیں (کسی دوسرے سے مدد نہیں مانگتے اس لئے کہ وہ خود مخلوق ولاچار ہیں)

II

(۵) ہم کو سیدھی (یعنی مختصر ترین) شاہراہ پر ڈال دے جو تیری بندگی کا دوسرا نام ہے۔
(۶) ہمیں ان لوگوں کی شاہراہ پر ڈال دے جن پر تو نے اپنا فضل و کرم کیا ہے (یعنی وہ خدا پرست قومیں جو پہلے گذر چکیں یا اب بھی موجود ہیں اور تیرا حکم مانتی ہیں اس لئے آزاد ہیں)
(۷) خداوندا ہمیں ان لوگوں کی راہ پر نہ ڈال جن سے تو خفا (ناخوش)

III

کیا ہے۔ یہ ترجمہ درج ذیل ہے۔

(۱) ہمہ ستائش مر خدائے راست

(۲) آں خدائیکہ پروردگارِ عالمیاں است (ع۔ از ہر جنس عالم چوں عالم جن۔ عالم فرشتہ۔ عالم انس وغیرہ) ترجمہ عالمیان (یعنی جہانیان درست ہے لیکن اس میں عالم ملکوت کو شریک کرنا درست نہیں)

(۳) بے اندازہ مہربان، نہایت با رحم

(۳) خداوند روز جزا است

(۴) خاص ترا می پرستیم و خاص از تو یاری می خواہیم۔

(۵) بنما مارا راہ راست

(۶) راہ کسانیکہ انعام کردۂ برایشاں۔

(۷) نہ آنانکہ غضب کردہ شدہ برایشاں و نہ گمراہان۔

جتنے اردو اور فارسی ترجمے ہیں ان پر غور فرمائیے اور دیکھئے کہ ہر مترجم نے دوسرے کے مقابلے میں ترجمہ کو آسان اور قریب الفہم بنانے میں کیا کیا سعی کی ہے۔ ان سے یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ مختلف زبانیں اپنے قدیم مفاہیم کو بدل رہی ہیں اور صرف ترجمہ سے قرآنی مفہوم پر حاوی ہونا ناممکن ہوتا جا رہا ہے۔

ترجمہ قابل ذکر ہے اس لئے کہ انھوں نے دو جلدوں میں ترتیب نزول
قرآن کے مطابق مختلف سورتوں کو جرمن مستشرقین نولڈیکے اور ویل
کی ترتیبوں سے اخذ کرکے عربی متن اور انگریزی ترجمہ کے ساتھ ۱۹۱۱ء
میں شائع کیا ہے۔ اس کے علاوہ مسٹر عبداللہ یوسف علی کا ترجمہ اردو
تفسیر حقانی سے ماخوذ ہے جس کی انگریزی قابل داد ہے اور بہت سے تشریحی
نوٹ خاص طور پر اہم ہیں اس لئے کہ وہ یورپ کے علوم و تاریخ کے
بہت بڑے عالم تھے۔ محمد مارماڈیوک پکتھال کے ترجمہ انگریزی کو بھی
ہندوستان کا کہا جاسکتا۔ اس لئے انھوں نے اس کا بیشتر حصہ یہاں
تیار کیا تھا۔

حضرت امام الہند کے کتب خانہ میں ایک خطی ترجمہ فارسی ہے جس پر
مترجم کا نام نہیں ہے۔ حاشیہ پر تفسیری اشارات ہیں علیین کا املا عالمین
اور ملک کا مالک ہے۔ اس میں سورۃ الحمد کا ترجمہ یہ ہے۔

(۱) شکر و ثنا مر خدائے را کہ پروردگار جہانیان است
(۲) خداوند روز جزا است۔
(۳) ترا مخصوص می پرستیم و از تو یاری می خواہیم
(۴) راہ نمائے ما را راہے راست (محبت خویش)
(۵) راہ آنانکہ نکوئی کردی برایشاں (از انبیا و اولیا)
(۶) نہ راہ کہ خشم گرفتہ برایشاں بسبب جہالت (چوں یہود)
(۷) و نہ راہ گمراہاں (چوں نصاریٰ)

علمائے افغانستان نے شاہی حکم کے مطابق ۱۳۲۲ھ میں
حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن کے اردو ترجمہ سے فارسی ترجمہ

١٧ خواجہ حسن نظامی دہلوی	١٣٤١	اردو	ہر طرح کی تعریف اللہ ہی کو سزاوار ہے
١٨ " "		ہندی	" "
١٩ - مولانا احمد علی لاہوری خادم دین	٠	اردو	سب تعریف اللہ کو ہے
٢٠ مولانا فتح محمد جالندھری		اردو	سب طرح کی تعریف خدا ہی کو سزاوار ہے
٢١ - مولانا احمد رضا خاں بریلوی	١٣٣٠	اردو	سب خوبیاں اللہ کو ہے
٢٢ شاہ فضل الرحمٰن گنج مراد آبادی	٠	ہندی	سب سراہت ان موہن کو ہے۔
٢٣ حافظ سید فرمان علی۔ اثنا عشری۔ در بھنگوی	١٣٢٦	اردو	سب تعریف خدا ہی کے لئے سزاوار ہے
٢٤ - مسٹر عبدالماجد دریابادی	١٣٧١	"	(ساری) تعریف اللہ کے لئے ہے

رب العالمین	الرحمٰن الرحیم
١ - پروردگار عالمہا	بخشائندہ - مہربان
٢ - جو صاحب سارے جہان کا	بہت مہربان - نہایت رحم والا
٣ - پروردگار عالموں کا	بخشش کرنے والا مہربان
٤ - کہ ہے پروردگار عالمیان	کہ بہت مہر و رحم وا ہے جس کی رحمت بیاں سے باہر ہے
٥ - جو تمام عالموں کا پالنے والا ہے	بڑا مہربانی اور بڑا رحم والا ہے۔
٦ - جو کل جہانوں کا پرورش کرنے والا ہے	جو نہایت رحم کرنے والا ہے
٧ - پالنے والا تمام جہان کا	بڑا مہربان - نہایت رحم والا
٨ - (جو) تمام جہان کا پروردگار (ہے)	نہایت رحم والا - مہربان
٩ - جو تمام جہان کا پروردگار	نہایت مہربان - رحم والا

سورۃ الحمد کے وہ ترجمے جو ہند میں ہوئے

نمبر سلسلہ	نام مترجم	سال ترجمہ	زبان	متن الحمد للہ
۱ -	شاہ ولی اللہ محدث دہلوی	سنہ ۱۱۵۲ھ / ۱۷۴۸ء	فارسی	ستائش خدارا است
۲ -	شاہ عبدالقادر محدث دہلوی	۱۲۰۵	ہندوی	سب تعریف اللہ کو ہے۔
۳ -	شاہ رفیع الدین محدث دہلوی	مطبوعہ سنہ ۱۲۵۴ھ	اردو	سب تعریف واسطے اللہ کے ہے
۴ -	مولانا عبدالسلام	۱۲۵۹	نظم اردو	حمد خوبی خدا کو ہے شایاں
۵ -	سر سید احمد خاں دہلوی	۱۲۹۷	اردو	سب بڑائیاں خدا ہی کے لئے ہیں
۶ -	مولانا عبدالحق حقانی دہلوی	-	اردو	ہر طرح کی ستائش اللہ ہی کے لئے ہے
۷ -	مولانا فتح محمد تائب لکھنوی	مطبوعہ سنہ ۱۳۰۵ھ	"	سب تعریف واسطے اللہ کے
۸ -	ڈپٹی نذیر احمد دہلوی	۱۳۱۷	"	ہر طرح کی تعریف خدا ہی کو سزاوار ہے
۹ -	مولانا عاشق الٰہی میرٹھی	۱۳۱۸	"	ہر تعریف اللہ ہی کو زیبا ہے
۱۰ -	مولانا وحید الدین حیدرآبادی	امرتسر سنہ ۱۳۲۲ھ	"	اصل تعریف اللہ ہی کو سزاوار ہے
۱۱ -	میرزا حیرت دہلوی		"	سب تعریف اللہ ہی کو سزاوار ہے
۱۲ -	ڈاکٹر عبدالحکیم کرنال	۱۳۲۴	"	تمام حمد اللہ کے واسطے ہے
۱۳ -	مولانا ثناء اللہ امرتسری	۱۳۲۵	"	سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں
۱۴ -	مولانا اشرف علی تھانوی	۱۳۳۳	"	سب تعریفیں اللہ کو لائق ہیں
۱۵ -	مولانا احمد علی لاہوری غلام احمدی	۱۳۴۰	"	سب تعریف اللہ کے لئے ہیں
۱۶ -	مولانا محمود حسن دیوبندی	۱۳۳۸	"	سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں

۵ -	حاکم ہے انصاف کے دن کا	ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں۔
۶ -	جزا کے دن کا مالک ہے	ہم تیری عبادت کرتے ہیں
۷ -	مالک دن قیامت کا	تیری ہی بندگی کرتے ہیں ہم
۸ -	روزِ جزا کا حاکم	(اے خدا) ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں
۹ -	مالک ہے روزِ جزا (یعنی قیامت) کا	خداوندا تیری ہی ہم عبادت کرتے ہیں
۱۰ -	انصاف کے دن کا مالک	ہم تیری بندگی کرتے ہیں (یعنی تیری ہی پوجا کرتے ہیں)
۱۱ -	انصاف کے دن کا مالک ہے)	ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں۔
۱۲ -	اور روزِ انصاف کا مالک ہے	خاص تیری ہی ہم عبادت کرتے ہیں
۱۳ -	قیامت کے دن کا مالک	تیری ہی عبادت کرتے ہیں۔
۱۴ -	جو مالک ہیں روزِ جزا کے	ہم آپ ہی کی عبادت کرتے ہیں
۱۵ -	جزا کے وقت کا مالک	ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں۔
۱۶ -	مالک روزِ جزا کا	تیری ہی ہم بندگی کرتے ہیں
۱۷ -	جو روزِ جزا کا مالک (یعنی قیامت کے دن کا بادشاہ ہے)	سب سے منہ موڑ کر ہم تیری ہی بندگی کرتے ہیں۔
۱۸ -	مالک انصاف کے دن کا	تجھی کو ہم بندگی کریں
۱۹ -	انصاف کے دن کا حاکم ہے	اے پروردگار ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں
۲۰ -	روزِ جزا کا مالک	ہم تجھی کو پوجیں
۲۱ -	جس کے بس میں چکوتی کا دن ہے	ہم تجھ ہی کو پوجتے ہیں۔
۲۲	روزِ جزا کا حاکم ہے	خدایا ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں
۲۳	(۵۹) مالک روزِ جزا کا	ہم بس تیری ہی عبادت کرتے ہیں۔

١٠- جو سارے جہان کا پروردگار	بڑا مہربان - رحم والا
١١- جو سارے جہان کا پروردگار	بہت مہربان - رحم والا
١٢- جو تمام عالموں کا رب ہے	جو رحمان اور رحیم ہے۔
١٣- جو سب جہانوں کا پرورش کرنے والا	بڑا مہربان - نہایت رحم والا۔
١٤- (تمام) جہانوں کا رب	بے انتہا رحم والا - نہایت رحم کرنے والا
١٦- جو پالنے والا سارے جہان کا	بے حد مہربان - نہایت رحم والا
١٧- جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے	(اور جو) بہت بخشش کرنے والا از حد مہربان ہے
١٨- جو صاحب سارے جہان کا	بہت مہربان - نہایت رحم والا
١٩- جو تمام مخلوقات کا پروردگار ہے	بڑا مہربان - نہایت رحم والا۔
٢٠- جو مالک سارے جہانوں کا۔	بہت مہربان - رحمت والا۔
٢١- جو سارے سنسار کا پالن ہارا	بڑی میا موہ کا - مہر والا ہے۔
٢٢- جو سارے جہان کا پالنے والا	بڑا مہربان - رحم والا
٢٣ (وہ) سارے جہان کا مربی	(وہ) نہایت رحم کرنے والا
	(وہ) بار بار رحم کرنے والا

مٰلِکِ یومِ الدّین	اِیّاکَ نعبُدُ
١- خداوند روز جزا	ترا می پرستیم
٢- مالک انصاف کے دن کا	تجھی کو بندگی کریں
٣- خداوند دن جزا کا	تجھ ہی کو عبادت کرتے ہیں ہم
٤- کہ وہی بادشاہ روز جزا دشاہی، انصاف کی، سبھی کو سزا	تجھ کو ہی کرتے ہیں عبادت ہم

۱۹ - اور تجھی سے مدد چاہیں	چلا ہم کو راہ سیدھی
۲۰ - اور تجھی سے مدد مانگتے ہیں	ہم کو سیدھے رستے پر چلا
۲۱ - اور تجھی سے مدد مانگیں	ہم کو سیدھا راستہ چلا
۲۲ - اور تیرا ہی آسرا چاہیتے ہیں	چلا ہم کو سیدھی راہ (ڈگمگ نہیں)
۲۳ - اور تجھی سے مدد چاہتے ہیں	تو ہم کو سیدھی راہ پر ثابت قدم رکھ
۲۴ - اور بس تجھی سے مدد چاہتے ہیں	چلا ہم کو سیدھا راستہ

صراط الذین انعمت علیہم	غیر المغضوب علیہم
۱ - راہ آنانکہ اکرام کردہ بر ایشاں	بجز آنانکہ خشم گرفتہ شد بر آنہا
۲ - راہ اُن کی جن پر تو نے فضل کیا	نہ اُن کی جن پر غصہ ہوا۔
۳ - راہ اُن لوگوں کی نعمت کی ہے تو نے اوپر ان کے	سوا اُن کے کہ غصہ کیا گیا ہے اوپر اُن کے۔
۴ - راہ اُن کی ہمیں ہدایت کر تو نے انعام کر لیا جن پر	نے سوا اُن کے جو کہ تھے مغضوب تھے جو محروم سب سے اور مسلوب
۵ - اُن لوگوں کی راہ جن پر تو نے بخشش کی ہے	نہ اُن کی راہ جن پر تیرا غصہ ہوا ہے
۶ - اُن کے رستے پر جن پر تو نے فضل کیا	نہ اُن کے رستے پر جن پر تیرا غضب نازل ہوا
۷ - راہ اُن کی نعمت کی تو نے جن پر	نہ غضب کیا گیا جن پر
۸ - ان لوگوں کا رستہ جن پر تو نے اپنا فضل کیا	نہ ان کا جن پر تیرا غضب نازل ہوا
۹ - ان لوگوں کا رستہ جن پر تو نے فضل فرمایا ہے	نہ ان کا جن پر غصہ ہوا ہے
۱۰ - ان کا رستہ جن پر تو نے کرم کیا	نہ ان کا جن پر غصہ ہوا۔
۱۱ - ان لوگوں کی راہ جن پر تو نے فضل کیا ہے	نہ اُن کی جن پر تیرا غضب نازل ہوا

وایاک نستعین	اھدنا الصراط المستقیم
۱ - واز تو مدد می طلبیم	بنما مارا راہ راست
۲ - اور تجھی سے مدد چاہیں	چلا ہم کو راہ سیدھی
۳ - اور تجھی سے مدد چاہتے ہیں	دکھا ہم کو راہ سیدھی
۴ - اور تجھ سے ہی استعانت ہم	کر ہدایت ہمیں وہ سیدھی راہ (کہ مراد اس سے ہے کتاب اللہ)
۵ - اور تجھ ہی سے ہم مدد چاہتے ہیں	ہم کو سیدھی راہ پر چلا
۶ - اور تجھ ہی سے ہر کام میں مدد مانگتے ہیں	ہم کو سیدھے راستے پر چلا۔
۷ - اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں ہم	چلا ہم کو راہ سیدھی
۸ - اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں	ہم کو دین کا دین کا سیدھا رستہ دکھا
۹ - اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں	دکھا ہم کو سیدھا رستہ
۱۰ - " " "	ہم کو سیدھے رستے پر چلا
۱۱ - " " "	ہمیں سیدھی راہ دکھا۔
۱۲ - اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں	ہمیں صراط مستقیم کی ہدایت کر
۱۳ - " " "	ہمیں سیدھی راہ پر پہنچا۔
۱۴ - آپ ہی سے درخواست اعانت کرتے ہیں	بتلا دیجیے ہم کو سیدھا رستہ
۱۵ - اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں	تو ہم کو سیدھے رستے پر چلا
۱۶ - " " " چاہتے "	بتلا ہم کو راہ سیدھی
۱۷ - اور تجھی سے مدد چاہیں	چلا ہم کو راہ سیدھی
۱۸ - "	"

ولاالضالین

(١) وہ جو گمراہان۔
(٢) اور نہ بہکنے والے۔
(٣) اور نہ گمراہوں کی۔
(٤) اور نہ گمراہوں کی وہ ہوئے راہ ایسی راہوں سے ہم کو رکھے نگاہ
(٥) اور نہ بھٹکنے والوں کی راہ
(٦) نہ گمراہوں کے رستے پر
(٧) نہ (راہ) گمراہوں کی
(٨) اور نہ گمراہوں کا
(٩) نہ بہکنے والوں کا
(١٠) اور نہ اُن کا جو بہک گئے
(١١) اور نہ گمراہوں کی۔
(١٢) اور جو گمراہ ہیں۔
(١٣) نہ اُن کی جو گمراہ ہیں
(١٤) نہ اُن لوگوں کا جو رستے سے گم ہو گئے
(١٥) اور نہ گمراہوں کا
(١٦) اور نہ وہ جو گمراہ ہوئے
(١٧) اور نہ اُن کا جو گمراہ ہیں۔
(١٨) " "
(١٩) اور نہ بہکنے والے
(٢٠) اور نہ گمراہوں کی۔
(٢١) اور نہ بہکے ہوؤں کا
(٢٢) اور نہ گمراہوں کی
(٢٣) اور نہ گمراہوں کی
(٢٤) اور نہ بھٹکے ہوؤں کا
... ...

۱۲ - یعنی ان برگزیدوں کے راستہ کی جن پر تو نے انعام کئے	جو غیر ہے اُن لوگوں کے راستے سے جن پر تیرا غضب ہوا۔
۱۳ - اُن لوگوں کی راہ جن پر تو نے انعام کئے	نہ ان لوگوں کی جن پر غضب کیا گیا۔
۱۴ - رستہ ان لوگوں کا جن پر آپنے انعام فرمایا	نہ رستہ اُن لوگوں کا جن پر آپ کا غضب کیا گیا۔
۱۵ - اُن لوگوں کا رستہ جن پر تو نے انعام کیا	نہ اُن کا جن پر غضب ہوا۔
۱۶ - راہ ان لوگوں کی جن پر تو نے فضل فرمایا	نہ جن پر تیرا غصہ ہوا۔
۱۷ - اس لوگوں کا رستہ جن پر تو نے فضل و کرم کیا	ان کا نہیں جن پر غصہ کیا گیا
۱۸ - "	"
۱۹ - راہ ان کی جن پر تو نے فضل کیا	نہ اُن کی جن پر غصہ ہوا۔
۲۰ - ان لوگوں کے رستے جن پر تو اپنا فضل و کرم کرتا رہا	نہ اُن کے جن پر غصہ ہوتا رہا
۲۱ - رستہ ان کا جن پر تو نے احسان کیا	نہ ان کا جن پر غضب ہوا
۲۲ - اُن لوگوں کی راہ جن پر تیری دیا ہوئی	نہ اُن کی جن پر تیری جھنجھلاہٹ ہوئی
۲۳ - ان کی راہ جنھیں تو نے اپنی نعمت عطا کی۔	نہ ان کی راہ جن پر تیرا غضب ڈھایا گیا ہے۔
۲۴ - ان لوگوں کا رستہ جن پر تو نے انعام کیا ہے۔	نہ اُن لوگوں کا رستہ جو زیر غضب آ چکے ہیں۔

اسلام کا اصلی ماخذ قرآن ہے

مطبوعات بیت الحکمت دہلی

۱۔ پس منظر اسلام چار حصوں میں

اسلام سے پہلے دنیا کی حالت

۲۔ اسلام سے پہلے عرب کی حالت

[illegible]

۴۔ اسلامی انقلاب

سورۃ العلق کا مفہوم

[illegible]

اُن نوجوان طلبہ کے نام

جو

اسلام کے حقیقی و بنیادی خط و خال کا آئینہ ترتیب قرآن

اور تاریخ تمدن انسانی کی روشنی میں مطالعہ کر کے

اسلامی انقلاب کو سمجھنے کا شوق رکھتے ہیں

[illegible]

اور

[illegible] اسلام کی [illegible]

[illegible] اسلام [illegible]

ادارہ بیت الحکمت دہلی [illegible]

[illegible] قرآن کے داخلی مطالعہ کے بعد قرآن کی مختلف سورتوں [illegible]

[illegible] کی [illegible] کر دی گئی ہیں

۵۔ [illegible] انقلاب

[illegible]

۶۔ مشکلات قرآن کا انقلابی حل

[illegible] مشکلات فہم قرآن [illegible] کا انقلابی حل [illegible]

[illegible] حضرت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم [illegible] قرآن [illegible] اور قرآن کے ساتھ ساتھ [illegible]

[illegible] کتب [illegible] اردو بازار دہلی

سیرتِ قرآنیہ "سیّدنا محمّد" صلّی اللہ علیہ وسلم

(لقد یسّرنا القرآن للذکر فھل من مدکر؟)

بادشاہی اور جاگیرداری دور ختم ہو رہا تھا۔ جمہوری اور شینی دور کی ابتدا تھی اس وقت امام ولی اللہ محدث دہلوی نے قرآن کی انقلابی روح کو نمایاں کرنے کے لئے قرآن کا فارسی ترجمہ کیا۔ یہ ترجمہ ارباب حکومت اور امرا کے لئے تھا۔ حجۃ اللہ البالغہ کی حکمت عقل، نقل اور کشف کا مجموعہ ہے۔ اسی لئے تفسیر فتح الرحمان سے پہلے اسے اور المسوّی کو ضرور پڑھنا چاہئے۔ متوسط طبقہ کے لئے شاہ عبد العزیز دہلوی (۱۱۵۹ - ۱۲۳۹) نے تفسیر فتح الرحمان کے اصول کی تشریح کے لئے فتح العزیز لکھی اور جماعت مجاہدین تیار کی اور ان کے چھوٹے بھائی شاہ عبد القادر محدث دہلوی نے حضرت سید احمد شہیدؒ کو قرآن و حدیث کا درس دیا۔ انھوں نے قرآن کو امت مسلمہ کے عام لوگوں کی ہندوی زبان میں ترجمہ کیا تاکہ وہ قرآنی دعوتِ انقلاب کو آسانی سے سمجھ سکیں۔ اس سلسلۃ الذہب کی ایک کڑی شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ دیوبندی تھے۔

قرآن کے پیغام کو سمجھنے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ سیرۃ نبوی کے سلسلے میں اس کے تاریخی ادوار متعین کر لئے جائیں اور تاریخ تمدن انسانی کے پس منظر میں اسے اپنی اپنی زبان میں سمجھا جائے۔ اردو میں اس قسم کی مختصر سیرت سنگم کتاب گھر دھلی سے مل سکتی ہے۔ اسے بیت الحکمت سندھ نے بیس زبانوں میں شائع کرنے کا پروگرام بنایا ہے۔ اس سیرت میں قرآن کو خود قرآن سے سمجھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ جس کا ایک نمونہ "پیمان انقلاب" ہے۔ اسطرح سیرت کے قرآنی مطالعہ سے متعدد غلط فہمیاں دور ہو جاتی ہیں، اور حکمت قرآنیہ فکر انسانی سے بہت قریب آجاتی ہے۔

سنگم کتاب گھر۔ اردو بازار دھلی

پس منظر اسلام اور ترتیب نزولِ قرآن

کو چھوڑ کر تفسیر بالرائے کرنے کا یہ نتیجہ ہوا،
کہ مفہوم قرآن کثرت تعبیر سے مبہم بن گیا،
اور جب ہمارا نوجوان، جو بے انتہا قوت عمل
کا مالک ہے، مذہبی کج بحثیوں سے نکل کر
معاشی لادینیت کا رُخ کرنے لگا، تو
یہ آذران فرقہ پرست اسی کو مجرم ٹھیرانے
لگے! یہ قصور دین کا ہے کہ دینی فرقہ سازوں کا؟

باز می گوئی کہ دامن تر مکن ہشیار باش!!!

سول ایجنٹ سنگم کتاب گھر اردو بازار دہلی

قیمت فی جلد ایک روپیہ